اُردو (لازمی)

جماعت دہم

azeinqilab.com

Free From Government
NOT FOR SALE

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

جملہ حقوق بحق لیڈنگ پبلشرز پشاور محفوظ ہیں۔

منظور کردہ: نظامت نصاب و تعلیمِ اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

بمطابق: قومی نصاب 2006ء

مراسلہ نمبر F-1-21/2010-URDU مورخہ 04-04-2011

مؤلفین: پروفیسر محمد جمال۔ عنایت الحق خٹک۔ ناہید عثمان۔ ڈاکٹر عثمان شاہ کاٹلنگ

نگران نظر ثانی کمیٹی ری۔ ریویو:

گوہر علی خان ناظم، نصاب و تعلیم اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

فوکل پرسن:

ذوالفقار خان ایڈیشنل ڈائریکٹر نصاب و نظر ثانی کتب نظامتِ نصاب و تعلیم اساتذہ خیبر پختونخوا، ایبٹ آباد

نظر ثانی ری۔ ریویو (ترامیم و اضافہ):

شرافت خان (اسسٹنٹ پروفیسر اُردو گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج، ایبٹ آباد)

اسماء سعدیہ (ایس ایس گر ت گرلز ہائر سیکنڈری سکول حویلیاں، ایبٹ آباد)

ارشد خان (ایس سی ٹی گورنمنٹ ہائی سکول نمبر3، ایبٹ آباد)

محمد اشفاق خان جدون (ایس ایس نظامت نصاب و تعلیم اساتذہ، ایبٹ آباد)

سلیم اللہ علوی (ماہر مضمون اُردو خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور)

مدیر: سلیم اللہ علوی، ماہرِ مضمون (اُردو) خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

طباعت زیر نگرانی: رشید خان پائندہ خیل (چیئرمین)

سعید الرحمن (ممبر ای اینڈ پی)

خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور

تعلیمی سال: 2021-22ء

ویب سائٹ: www.kptbb.gov.pk

ای میل: membertbb@yahoo.com

فون نمبر: 091-9217159-60

Not For Sale

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

فہرستِ مضامین

نمبر شمار	مصنف	عنوان	صفحہ
		حصۂ نثر	
۱	شاہد احمد دہلوی	مولوی عبدالحق	۱
۲	اشرف صبوحی	پرنانی	۹
۳	ڈاکٹر وحید قریشی	علامہ اقبالؒ کا تصورِ وطنیت	۲۰
۴	سجاد حیدر یلدرم	مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ	۲۷
۵	ہاجرہ مسرور	ایک کہانی بڑی پرانی	۳۵
۶	اجمل نذیر (مترجم)	ماں کی نصیحت (لوک کہانی)	۵۴
۷	مولوی عبدالحق	نام دیو مالی	۶۲
۸	قدرت اللہ شہاب	سَرابِ منزل	۷۰
۹	حکیم محمد سعید	استنبول	۸۱
		مکاتیب	
۱۰	مرزا اسد اللہ غالبؔ	غالبؔ کا خط میر مہدی مجروحؔ کے نام	۸۸
		غالبؔ کا خط علاؤالدین علائی کے نام	
۱۱	رشید احمد صدیقی	رشید احمد صدیقی کا خط بنام بشیر صاحب	۹۵

Not For Sale

awazeinqilab.com

حصہ نثر

Not For Sale

نمبر شمار	شاعر	عنوان	صفحہ
		حصہ نظم	۱۰۰
۱۲	احسان دانش	آزادی	۱۰۱
۱۳	حفیظ جالندھری	مزارِ قطب الدین ایبک	۱۰۶
۱۴	میر ببر علی انیس	نمودِ صبح	۱۱۱
۱۵	جوش ملیح آبادی	کسان	۱۱۶
۱۶	جمیل الدین عالی	اے دیس کی ہواؤ	۱۲۰
۱۷	دلاور فگار	کراچی کی بس	۱۲۵
۱۸	مرزا محمود سرحدی	مسلمانانِ الجزائر	۱۳۰
		حصہ غزل	
۱۹	حسرت موہانی	غزل ۱: نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے	۱۳۶
		غزل ۲: تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا	۱۳۷
۲۰	علی سکندر جگر مراد آبادی	غزل ۱: کسی صورت نمودِ سوزِ پنہانی نہیں جاتی	۱۴۰
		غزل ۲: محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے	۱۴۲
۲۱	فراق گورکھپوری	غزل ۱: بچھڑ گیا ہوں مگر کارواں سے دور نہیں	۱۴۵
		غزل ۲: شامِ غم کچھ اس سراپا ناز کی باتیں کرو	۱۴۷
۲۱	ادا جعفری	غزل ۱: ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے	۱۵۰
		غزل ۲: کیا جانیئے کس بات پہ مغرور رہی ہوں	۱۵۲
		فرہنگ	۱۵۴

Not For Sale

awazeinqilab.com

شاہد احمد دہلوی

ولادت: ۱۹۰۶ء // وفات: ۱۹۶۷ء

شاہد احمد دہلوی، مولوی نذیر احمد کے پوتے اور مولوی بشیر الدین کے بیٹے تھے۔ انھوں نے ابتدائی تعلیم حیدر آباد سے حاصل کی۔ دہلی یونیورسٹی سے فارسی میں ایم اے کیا۔ تعلیم مکمل کرنے کے بعد ماہنامہ ”ساقی“ جاری کیا اور اسی نام سے ایک بک ڈپو بھی قائم کیا۔ اس رسالے نے بے شمار نئے لکھنے والوں کو متعارف کرایا اور ان کی حوصلہ افزائی کی۔ تقسیمِ ہند کے بعد پاکستان چلے آئے اور کراچی سے اپنا رسالہ جاری کیا۔ وہ ادبی تحریکوں اور انجمنوں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے۔ انھوں نے ”انجمنِ ادبی جرائد پاکستان“ بنائی۔ شاعروں اور ادیبوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے ”رائٹرز گلڈ“ کے ضمن میں نمایاں خدمات انجام دیں۔ انھیں موسیقی سے بھی بڑی دلچسپی تھی۔ وہ ریڈیو پاکستان کراچی میں بحیثیت میوزک سپروائزر مقرر ہوئے۔ اس سلسلے میں انھوں نے جاپان، تھائی لینڈ، فلپائن اور ہانگ کانگ کے دورے بھی کیے، جہاں انھوں نے پاکستانی موسیقی پر لیکچر دیے۔

شاہد احمد دہلوی ایک ذی علم آدمی تھے۔ وہ دراصل نذیر احمد اور بشیر الدین کی روایات کے امین رہے ہیں۔ انھیں دہلی کی ٹکسالی زبان پر مکمل عبور حاصل تھا۔ ان کی تصانیف کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ ان کے بعض مقالات نے ”دہلی مرحوم“ کو زندہ جاوید کر دیا۔ اپنے رسالے کے بعض خصوصی شماروں کے ذریعے اردو ب کی ترویج میں بھرپور حصہ لیا۔

ان کی وفات کراچی میں ہوئی اور وہیں دفن ہوئے۔

تصانیف: دلّی کی بپتا، گنجینۂ گوہر، سرگزشتِ عروس، اندھی گلی، دھان کا گیت اور پاکستانی موسیقی۔

مولوی عبدالحق

حاصلاتِ تعلّم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ سُن کر نثر کے سیاق و سباق تک رسائی حاصل کر سکیں۔
۲۔ کسی ادب پارے میں بیان کردہ نکات کو پوری طرح سمجھ کر پڑھ سکیں۔
۳۔ مرکزی خیال کے حوالے سے ادب پارے کا خلاصہ، بنیادی نکات درج کر کے لکھ سکیں۔
۴۔ کوئی مضمون لکھتے ہوئے جامع انداز میں تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکیں۔
۵۔ جملے کی تقطیع اجزا میں کر سکیں۔
۶۔ متن کو سمجھ کر حقائق پر مبنی سوالات کے جواب تحریر کر سکیں۔

دامانِ دلّی میں ایک قصبہ ہے ہاپوڑ۔ اس کی دو چیزیں مشہور ہیں، پاپڑ اور مولوی عبدالحق۔ پاپڑ ہر شہر میں بنتے ہیں مگر جو مزا ہاپوڑ کے پاپڑ میں تھا کسی اور جگہ کے پاپڑ میں نہیں تھا۔ عبدالحق بھی بے شمار پیدا ہوئے مگر مولوی عبدالحق کا جواب آج تک نہ ہو سکا۔

میرے والد کے پاس اُردو کے اکثر رسالے آتے تھے۔ جن میں ایک رسالہ ”اُردو“ بھی تھا۔ جس کے ایڈیٹر عبدالحق تھے۔ میں کالج کی ابتدائی جماعتوں میں تھا کہ اسی رسالہ اردو میں ”ڈپٹی نذیر احمد کی کہانی کچھ ان کی کچھ میری زبانی“ کے عنوان سے مرزا فرحت اللہ بیگ کا مضمون چھپا۔

جب میں نے جنوری ۱۹۳۰ء میں ”ساقی“ جاری کیا تو مرزا صاحب سے خط و کتابت بھی شروع ہو گئی اور وہ ”ساقی“ کے لیے مضامین بھی بھیجنے لگے۔ یوں فرحت اللہ بیگ کے سلسلے میں مولوی عبدالحق صاحب کو میں نے پہلی بار جانا پہچانا۔

۱۹۳۰ء کے بعد میں کئی دفعہ حیدر آباد گیا مگر مولوی صاحب سے شرفِ ملاقات حاصل نہ کر سکا۔ مولوی صاحب اورنگ آباد میں رہتے تھے اور انجمن کا دفتر بھی وہیں تھا۔ ایک بات پر مجھے بڑا اچنبھا ہوتا تھا

awazeinqilab.com

کہ غیر ملکی (غیر حیدر آبادی) ہوتے ہوئے بھی مولوی عبدالحق اتنی طویل مدت تک حیدر آباد میں کیسے جمے رہے؟ ان کے پیش رو محسن الملک، وقار الملک، مولوی نذیر احمد اور مولوی صاحب کے ہم عصر مولوی ظفر علی خان اور مولانا عبدالماجد دریا بادی اور خبر نہیں کون کون اس ریاست میں اپنے قدم نہیں جما سکے اور کتنے ہی بڑے آدمیوں کو خارج البلد کیا گیا مگر مولوی صاحب تھے کہ ڈٹے ہوئے تھے اور ترقی کرتے جارہے تھے۔ معلوم ہوا کہ مولوی صاحب نے اپنی مدافعت میں وہی ہتھیار استعمال کیے ہیں جو ملکی لوگ حملہ کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی غیر معمولی ذہانت سے حیدر آباد کے تمام بڑے لوگوں کو اپنی مٹھی میں کرلیا تھا اور وزیرِ اعظم حیدری کی تو ناک کے بال بن گئے تھے مگر مولوی صاحب صرف اپنا بچاؤ ہی نہیں کرتے رہے، انھوں نے ریاست کے بڑے بڑے کام بھی کیے۔ انجمن ترقی اردو کو اتنا فروغ دیا کہ انجمن سارے ہندوستان کے لیے اردو کا مرکز بن گئی۔ عثمانیہ یونیورسٹی کا منصوبہ مولوی صاحب ہی نے بنایا تھا۔ جب یہ اُردو یونیورسٹی بنی تو اس کے لیے دارالترجمہ قائم کیا جس میں اعلیٰ قابلیت کے مترجم جمع کیے۔ اس دارالترجمہ نے تمام علوم وفنون کو اردو میں منتقل کردیا اور ثابت کردیا کہ اردو بھی کامیاب ذریعۂ تعلیم بن سکتی ہے۔

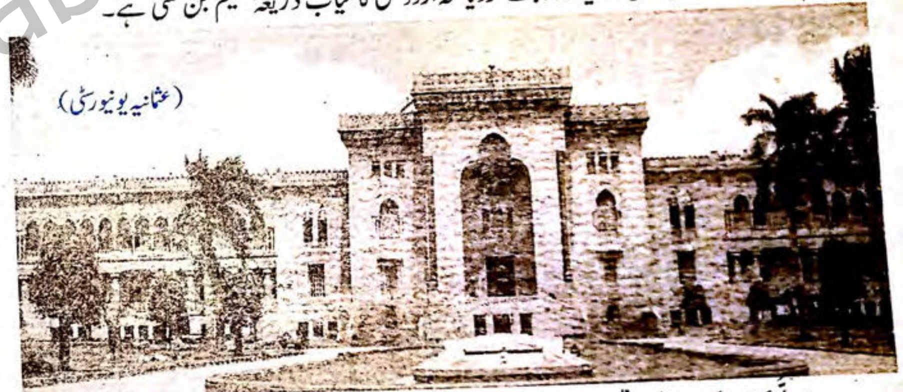
(عثمانیہ یونیورسٹی)

دارالترجمہ کے پہلے ناظم مولوی صاحب ہی تھے۔ جب ان کی دوسری مصروفیات بڑھیں تو منشی ذکاءاللہ دہلوی کے صاحب زادے مولوی عنایت اللہ دہلوی کو مولوی صاحب نے اپنا جانشین مقرر کیا۔ مولوی صاحب کی طرح یہ صاحب بھی علی گڑھ کے ابتدائی گریجویٹ تھے۔ مولوی صاحب کی طرح انھوں نے

بھی سرسیّد کی آنکھیں دیکھی تھیں اور کاموں میں ان کا ہاتھ بٹایا تھا۔ ترجمہ بہت عمدہ کرتے تھے۔ اتنا عمدہ کہ ایک خط میں سرسید نے منشی ذکاءاللہ کو لکھا کہ ”تمھارا لڑکا تم سے اچھا ترجمہ کرتا ہے۔“

جب گاندھی جی اردو کی جان کے لاگو ہوگئے اور ہندوستانی کی آڑ میں ہندی کو ہندوستان کی قومی زبان بنانے پر تُل گئے تو مولوی صاحب نے انجمن کا دفتر اورنگ آباد سے دلّی منتقل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ مولوی صاحب دلّی آئے اور دریا گنج میں ڈاکٹر انصاری کی کوٹھی کرایہ پر لے لی۔ اس وقت دریا گنج میں سب سے بڑی کوٹھی ڈاکٹر انصاری ہی کی تھی۔ یہ بڑی تاریخی کوٹھی تھی۔ جب تک ڈاکٹر انصاری زندہ رہے اس کوٹھی میں کانگریس کے تمام بڑے لیڈر جمع ہوکر مشورے کرتے رہے۔ اسی کوٹھی کو مولوی صاحب نے اُردو کا گڑھ بنایا اور انجمن کا دفتر اس میں منتقل کردیا۔ دلّی والوں نے مولوی صاحب کا شان دار استقبال کیا اور ایک جلوس کی شکل میں انھیں اسٹیشن سے کوٹھی تک لائے۔ یہ جگہ بھی انجمن کے دفتر کے لیے عارضی تھی۔ مولوی صاحب نے نئی دلّی میں ایک پُرسکون مقام پر بہت وسیع زمین کے لیے درخواست دے دی تھی۔ بعد میں یہ زمین انھیں مل گئی تھی۔ اس پر انجمن کی ایک شان دار عمارت بنوانے کا ارادہ تھا مگر انجمن کے پاس اتنا روپیہ نہیں تھا کہ عمارت بنوالیتی۔ مولوی صاحب نے اس کے لیے چندہ جمع کرنا شروع کردیا تھا مگر یہ منصوبہ پورا نہ ہوسکا اور ۱۹۴۷ء کی غارت گری شروع ہوگئی۔

یہ منصوبہ یوں بھی پورا نہ ہوسکا کہ سر اکبر حیدری جب تک حیدر آباد کے وزیرِاعظم رہے انجمن کو ریاست کی طرف سے سالانہ امداد ملتی رہی۔ سر اکبر حیدری کے بعد نواب چھتاری وزیرِاعظم بنے۔ ان کے عہد میں بھی ریاستی امداد بے چوں وچراں جاری رہی۔ مگر جب سر مرزا اسماعیل برسرِاقتدار آئے تو انھوں نے انجمن کی امداد روک دی۔ مولوی صاحب آسانی سے شکست مان لینے والے آدمی نہیں تھے۔ انھوں نے فوراً ایک کانفرنس بلائی اور سر مرزا کی اس حرکت کو متفقہ طور پر غلط قرار دیا گیا۔ اس کے ایک اجلاس میں، مَیں بھی شریک ہوا تھا اور مولوی صاحب نے اسی اجلاس میں اعلان کیا تھا کہ ”میں اپنا کُل اثاثہ انجمن کی نذر کرتا ہوں۔“ اس وقت معلوم ہوا تھا کہ یہ اثاثہ پانچ لاکھ کا تھا۔

awazeinqilab.com

مولوی صاحب نے ایک کُل ہند کانفرنس علی گڑھ میں بھی کی تھی۔ جس میں سر راس مسعود بھی شریک ہوئے تھے۔ میں نے راس مسعود کو پہلی اور آخری بار اسی کانفرنس میں دیکھا تھا۔ بڑے قدآور دیوہیکل آدمی تھے مگر بھدّے بھونڈے نہیں لگتے تھے۔ ذہانت ان کے چہرے سے ٹپکتی تھی اور وجاہت ان کی پیشوائی کرتی تھی۔ ایک اجلاس ختم ہوا تو مولوی صاحب کے کندھے پر ہاتھ رکھے ہوئے ہال میں سے باہر آئے۔ مولوی صاحب میانہ قد کے آدمی تھے مگر راس مسعود کے پہلو میں بونے نظر آرہے تھے۔ مولوی صاحب ان سے اس طرح باتیں کر رہے تھے جیسے کوئی اپنے سے بہت چھوٹے سے باتیں کرتا ہے۔ یہی مولوی صاحب تو تھے جنھوں نے دیکھا تھا کہ سرسید اپنے پوتے راس مسعود کو بہلا کر سُلانے کے لیے لوری دے رہے تھے اور وہ اس منظر کو دیکھ کر ہنستے ہوئے باہر بھاگ گئے تھے۔

گاندھی جی سے ٹکر لینے کے بعد مولوی صاحب اُردو کے قائدِ اعظم بن گئے تھے اور بابائے اُردو کہلانے لگے تھے۔ یہ صرف مولوی صاحب ہی تھے جو اُردو کے لیے لڑتے بِھڑتے تھے اور اُردو کے پروپیگنڈے کے لیے کسی سے ایک پیسہ طلب نہیں کرتے تھے۔ ان کے پیرِ طریقت سر سیّد احمد خان سارے ملک میں گھوم پھر کر چندے اُگاہا کرتے تھے مگر مولوی صاحب کہا کرتے تھے کہ کسی سے چندہ مانگتے مجھے شرم آتی ہے۔ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ چنانچہ سارے اخراجات مولوی صاحب اپنی پنشن سے پورے کرتے تھے۔

مولوی صاحب بڑے نفیس مزاج آدمی تھے۔ عمدہ قیمتی کپڑا پہنتے تھے۔ شیروانی، ترکی ٹوپی اور ایک بڑا پاجامہ۔ ساری عمر ان کا یہی لباس رہا۔ سوٹ پہنے ہوئے نہ تو کبھی انھیں دیکھا اور نہ کوئی تصویر ہی ایسی دیکھی جس میں سوٹ پہنے ہوں۔ کھانا اچھا کھاتے تھے اور ایک ہی وقت میں کئی قسم کا ہوتا تھا۔ پھل بھی ضرور ہوتے تھے۔ ان کے مقرّبین میں سے ایک صاحب نے بتایا کہ ایک دفعہ بمبئی میں کسی رئیس نے مولوی صاحب کی دعوت کی۔ میزبان کو معلوم تھا کہ مولوی صاحب کھانے کے بعد موسم کا پھل ضرور کھاتے ہیں۔ لٰہذا کھانا ختم ہوجانے کے بعد میزبان نے آواز لگائی ''فروٹ لاؤ'' تو ملازمین نے ڈشوں میں گنڈیریاں لاکر رکھ دیں۔

مولوی صاحب مُتبسّم ہوئے مگر اپنے میزبان کا دل رکھنے کے لیے ایک آدھ گنڈیری لے لی۔ وہاں سے رخصت ہونے کے بعد مولوی صاحب اپنے ساتھیوں سے پوچھتے رہے اور ہنستے رہے کہ ''کہو تم نے کتنے فِٹ پھل کھایا؟ اور تم نے کتنے گز پھل نوشِ جاں فرمایا؟''

مولوی صاحب نے جب انجمن کو جمالیا تو اسی عمارت کے ایک حصے میں اُردو کالج بھی کھول دیا۔ اس کالج میں تمام مضامین اُردو میں پڑھائے جانے لگے۔ مولوی صاحب نے اس کالج کو وزارتِ تعلیم سے تسلیم کرالیا اور یہ بات منظور کر لی گئی کہ امتحان کے پرچوں کے جوابات اُردو میں دیے جاسکتے ہیں۔ اس کالج کے نتائج نے ثابت کردیا کہ اُردو کو اگر ذریعۂ تعلیم بنالیا جائے تو انگریزی ذریعۂ تعلیم سے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں۔ کالج کے کامیاب تجربے کے بعد مولوی صاحب کو اُردو یونیورسٹی قائم کرنے کی لگن لگ گئی تھی۔ کراچی کا ایک سرمایہ دار بھی ہمت کر جاتا تو یونیورسٹی بن جاتی مگر ہمارے سرمایہ دار بھی حکومت کا رخ دیکھ کر چلتے ہیں۔ حکومت اس تبدیلی کے خلاف تھی، لٰہذا مولوی صاحب کی یہ آرزو پوری نہ ہوسکی۔

مولوی صاحب بہت با قاعدہ عادتوں کے مالک تھے۔ صبح کی چہل قدمی سے رات کی مشّی تک ان کا روزانہ ایک ہی سا پروگرام ہوتا تھا۔ راتوں کو جاگتے نہیں تھے۔ نیند پوری لیتے تھے اور صبح تازہ دم اُٹھتے تھے۔ نوے سے اوپر ہوگئے تھے مگر صحت اچھی تھی۔ ہمارا اندازہ تھا کہ سو پار کر جائیں گے مگر ابھی سو میں پانچ چھ سال باقی تھے کہ بیمار رہنے لگے۔ مرض تشخیص نہیں ہوتا تھا۔ خیال تھا کہ ہاضمے کی شکایت ہوگی جو کراچی میں عام ہے۔ مگر جب مرض بڑھتا گیا تو ہسپتال میں داخل ہوگئے، افاقہ نہیں ہوا۔

صدر ایوب کو مولوی صاحب کی علالت کی اطلاع ہوئی تو انھوں نے پنڈی بلوا کر سب سے بڑے ہسپتال میں داخل کرادیا۔ وہاں مولوی صاحب کا مرض کینسر تشخیص ہوا۔ لاعلاج مرض کا علاج ہی کیا؟ جب زندگی سے مایوسی ہوگئی تو مولوی صاحب کو کراچی کے نیول ہسپتال میں بھیج دیا گیا۔ یہاں پہنچے تو مرض اتنا بڑھ چکا تھا کہ مولوی صاحب اکثر بے ہوش رہنے لگے۔ جب انھیں ہوش آتا تھا تو کچھ بولنا چاہتے تھے مگر نقاہت اتنی تھی کہ سرگوشی سنائی نہیں دیتی تھی۔ صرف دو لفظ کبھی کبھی قریب رہنے والوں نے سنے ''انجمن اور اُردو۔''

(بزمِ خوش نَفساں)

مشق

۱۔ درست الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں:

(الف) مولوی عبدالحق دلّی کے ایک قصبے ______ کے رہنے والے تھے۔

(ب) ہاپوڑ کی دو چیزیں مشہور تھیں پاپڑ اور ______

(ج) اُردو کے فروغ کے لیے مولوی عبدالحق نے اورنگ آباد میں ایک تعلیمی ______ قائم کیا تھا۔

(د) گاندھی اُردو کی بجائے ______ کو قومی زبان بنانا چاہتے تھے۔

(ہ) گاندھی سے ٹکر لینے کے بعد وہ اُردو کے ______ بن گئے تھے۔

(و) مولوی صاحب کے آخری الفاظ انجمن اور ______ تھے۔

۲۔ مولوی عبدالحق نے ریاست حیدر آباد دکن میں کیا اہم خدمات انجام دیں؟

۳۔ مولوی عبدالحق نے انجمن ترقیِ اُردو کا دفتر اورنگ آباد سے دِلّی کیوں منتقل کیا؟

۴۔ مولوی عبدالحق کو ”بابائے اُردو“ کیوں کہا جاتا ہے؟

۵۔ درج ذیل محاورات کو جملوں میں استعمال کریں۔

ناک کا بال بن جانا، ہاتھ بٹانا، مٹھی میں کر لینا، بکھیڑوں میں الجھنا، پیشوائی کرنا، قدم جمانا

۶۔ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر درج ذیل عبارت کی وضاحت کریں۔

”گاندھی جی سے ٹکر لینے کے بعد مولوی صاحب اُردو کے قائدِاعظم بن گئے تھے اور بابائے اُردو کہلانے لگے تھے۔ یہ صرف مولوی صاحب ہی تھے جو اُردو کے لیے لڑتے بھِڑتے تھے اور اُردو کے پروپیگنڈے کے لیے کسی سے ایک پیسہ طلب نہیں کرتے تھے۔ ان کے پیرِ طریقت سر سیّد احمد خان سارے ملک میں گھوم پھر کر چندے اُگاہا کرتے تھے مگر مولوی صاحب کہا کرتے تھے کہ کسی سے چندہ مانگتے مجھے شرم آتی ہے۔ یہ کام میرے بس کا نہیں ہے۔ چنانچہ سارے اخراجات مولوی صاحب اپنی پنشن سے پورے کرتے تھے۔“

۷۔ جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کے تین تین جملے لکھ کر ان کی تقطیع کریں۔*

* جملے کی تقطیع اجزا میں:

جملے کے دو بڑے حصے ہوتے ہیں جن میں ایک تعلق پایا جاتا ہے جو کلام کو پورا کر دیتا ہے اور سننے والے کو کوئی کمی محسوس نہیں ہوتی۔ اس تعلق کو ”اسناد“ کہتے ہیں۔ جملے میں جس شخص یا چیز کے بارے میں کچھ کہا جائے، اسے ”مُسند الیہ“ کہتے ہیں اور جو کچھ کہا جائے، اسے ”مُسند“ کہا جاتا ہے۔

جس جملے کا مُسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں، اسے جملہ اسمیہ کہا جاتا ہے اور جس جملے کا مسند الیہ تو اسم ہو لیکن مسند میں کوئی نہ کوئی فعل پایا جاتا ہو، اسے جملہ فعلیہ کہا جاتا ہے۔ جملہ اسمیہ کے تین بنیادی اجزا ہوتے ہیں: (ا) مُبتدا (ب) خبر (ج) فعلِ ناقص

جیسے: جواد دیانتدار ہے۔ عدنان محنتی ہے۔

ان جملوں میں جواد اور عدنان ”مبتدا“ ہیں۔ دیانت دار اور محنتی ”خبر“ ہیں اور ”ہے“ فعلِ ناقص ہے۔

جملہ فعلیہ کبھی تو صرف فاعِل اور فعل سے بنتا ہے جیسے: سارہ آئی۔ اس جملے میں ”سارہ“ فاعل ہے اور ”آنا“ اس کا فعل ہے۔ جملہ فعلیہ کبھی فاعل، علامتِ فاعل، مفعول اور تقطیع یوں ہوگی:
فعل سے بنتا ہے جیسے: حرا نے سبق پڑھا۔ اس جملے کی

حرا	=	فاعل	مسند الیہ
نے	=	علامتِ فاعل	مسند
سبق	=	مفعول	
پڑھا	=	فعل	

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ شاہد احمد دہلوی کے اس مضمون کو مدِّ نظر رکھ کر اپنے کسی دوست کا مختصر خاکہ تحریر کریں۔

۲۔ طلبہ اُردو کے دس نثر نگاروں کی تصاویر اکٹھی کر کے اپنی کاپی میں لگائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو خاکہ نگاری کے فن سے روشناس کرائیں اور اُردو کے چیدہ چیدہ خاکہ نگاروں کے نام بتائیں۔

۲۔ سیاق وسباق کے لغوی معنی ہیں، ”مضمون کا اپنے مقابل سے ربط یا تسلسل“۔ امتحانی سوالات میں ایک سوال پیراگراف کی تشریح کا ہوتا ہے، جس کو سیاق وسباق کے حوالے سے حل کرنا ہوتا ہے۔ یعنی طلبہ کو سبق کے ساتھ پیراگرف کا جوڑ یا تسلسل قائم کر کے آگے کے حالات بیان کرنے ہوتے ہیں۔ یہ کام ایک طرح سے سبق کا خلاصہ ہوتا ہے، جس کے بعد پیراگراف/اقتباس کی تشریح آسان الفاظ میں کی جاتی ہے۔ اساتذہ کرام طلبہ سے سیاق وسباق کے حوالے سے تشریح کی مشق کرائیں۔

اشرف صبوحی

ولادت: ۱۹۰۵ء // وفات: ۱۹۹۰ء

ان کا اصل نام سیّد ولی اشرف، تخلّص صبوحؔی اور قلمی نام اشرف صبوحی ہے۔ اشرف صبوحی دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلّق ڈپٹی نذیر احمد کے خاندان سے تھا۔ ان کے والد کا نام علی اشرف تھا جو بزرگ عالمِ دین تھے۔

اشرف صبوحی نے اپنی ملازمت کا آغاز ڈاک اور تار کے محکمے سے کیا لیکن لکھنے پڑھنے کا شوق اپنی جگہ قائم رہا۔ وہ شاہد احمد دہلوی کے رسالہ ''ساقی'' میں مضامین لکھا کرتے تھے۔ انھوں نے ''ارمغان'' کے نام سے ایک ماہنامہ دہلی سے جاری کیا جس میں خواجہ حسن نظامی بھی لکھا کرتے تھے۔ اشرف صبوحی نے ریڈیو کے لیے تقریروں کے علاوہ ڈرامے، فیچر، عورتوں کے پروگرام اور بچوں کی کہانیاں بھی لکھی ہیں۔ مولوی عبدالحق طویل عرصے تک ان سے انجمنِ ترقیٔ اُردو کے لیے کام لیتے رہے۔ جب انجمن کا دفتر اورنگ آباد سے دہلی منتقل ہوا تو مولوی عبدالحق انجمن سے شائع ہونے والے مسوّدات نظرِ ثانی کے لیے اشرف صبوحی کو بھیجتے تھے۔

تقسیمِ ہند کے بعد اشرف صبوحی پاکستان آگئے اور لاہور میں مقیم ہوئے۔ حکیم محمد سعید سے ان کے بہت دوستانہ تعلقات تھے۔ حکیم صاحب کے کہنے پر لاہور سے کراچی منتقل ہوئے اور ''ہمدرد'' میں افسرِ تقریبات مقرر ہوئے۔ اشرف صبوحی کی بہت سی تصانیف اور تراجم چھپ چکے ہیں۔ اشرف صبوحی نے اپنے پیچھے علم و ادب کا ایسا خزانہ چھوڑا ہے جس سے آنے والی نسلیں ہمیشہ مستفید ہوتی رہیں گی۔

تصانیف

دلّی کی چند عجیب ہستیاں، غبارِ کارواں، جھروکے، بغداد کے جوہری، بن باسی دیوی، دھوپ چھاؤں (انگریزی ناول کا ترجمہ)، ننگی دھرتی (انگریزی ناول کا ترجمہ)، موصل کے سوداگر (انگریزی سے ترجمہ کہانی) اور بزمِ آخر وغیرہ۔

Not For Sale

پرنانی

حاصلاتِ تعلّم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ سن کر الفاظ و تراکیب، روزمروں و محاوروں اور علمِ بیان کے تقاضوں کے لحاظ سے صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دے سکیں۔
۲۔ اپنی گفتگو میں مجازی مفہوم کے پیشِ نظر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
۳۔ روزمرّہ زندگی کے حوالے سے مفصّل روداد تحریر کر سکیں۔
۴۔ مرکزی خیال کے حوالے سے ادب پارے کا خلاصہ بنیادی نکات درج کر کے لکھ سکیں۔
۵۔ جملہ اسمیہ اور فعلیہ کی ترکیب نحوی کر سکیں۔

پرنانی اپنے ہی کُنُم کی نہیں بلکہ ہمارے محلے کی پرنانی تھیں۔ بچے تو بچے ہر جاننے والا بوڑھا ہو یا جوان ان کو پرنانی کہتا تھا۔ زندگی کے باغ میں ان کی ہستی ایک ایسے درخت کی مانند تھی جو خزاں کے متواتر جھونکوں سے لُنڈ مُنڈ رہ گیا ہو، پھل پھول آنے بند ہو گئے ہوں اور جو صرف اس انتظار میں کھڑا ہو کہ فنا کی آندھی اسے گرا دے اور وہ جو کبھی زینتِ چمن تھا، کوڑا سمجھ کر پھینک دیا جائے یا خاک اس کو اپنی غذا بنا لے۔

پرنانی کی عمر کا یہ ایک سو پچیسواں مرحلہ تھا۔ دہلی کے لال قلعے میں جوانی گزری تھی۔ بہادر شاہ مغل تاجدار اُن ہی کی گودیوں میں پلے، بڑھے، جوان ہوئے، تخت پر بیٹھے اور انھی کی آنکھوں کے سامنے رنگون

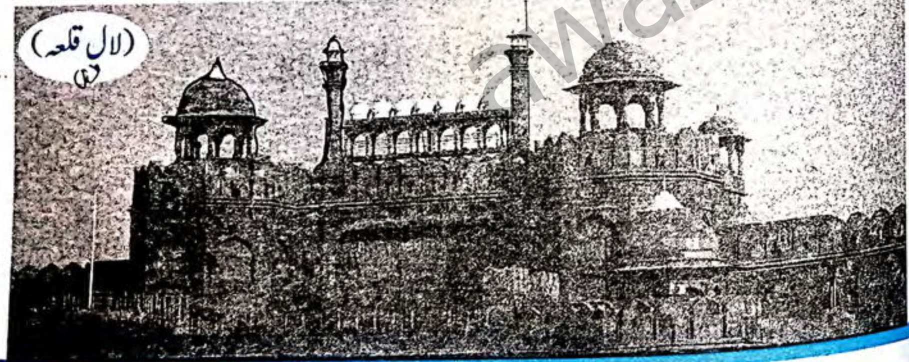

Not For Sale

awazeinqilab.com

بھیجے گئے۔ ان کا اپنا کنبہ بھی کچھ کم نہ تھا۔ سات بیٹے اور پانچ بیٹیاں اور پھر پوتے پوتیاں، نواسے نواسیاں، خدا کی دی ہوئی جیتی جاگتی ایک دولت تھی جس پر بیٹھی ہوئی پرنانی راج کیا کرتی تھیں لیکن یہ ساری بہار کچھ تو غدر میں لُٹ گئی اور کچھ موت نے تاراج کردی۔

شاہی زمانے کا اتنا بڑا ڈھنڈار مکان اور ایک بُڑھیا کا دَم۔ صرف ایک نواسی آمنہ تھی وہ کبھی کبھی دن بھر کو آجاتی تو بے چاری کا دل بہل جاتا۔ آمنہ اپنی ذات سے تو خاصی محبت کرنے والی لڑکی تھی مگر اس کا خاوند بڑا دماغ چوٹا مرد تھا اور بچے ایسے بُرے اُٹھے تھے کہ خدا کی پناہ۔ تاہم پرنانی کا ان کے سوا تھا بھی کون؟ اتفاقاً انھی دنوں میں آمنہ کے میاں احمد مرزا کے باپ کا انتقال ہوگیا۔ احمد مرزا کا کوئی ٹھکانہ رہا نہیں۔ خود کماؤ نہ تھے، باپ کے صدقے میں دندناتے تھے۔ قصہ مختصر آمنہ کرایے کے مکان سے اُٹھ نانی کے پاس آگئیں اور مرزا صاحب باپ کے دسترخوان سے اُٹھ کر نھیا ساس کے دسترخوان پر آبیٹھے۔

کچھ دن تو بڑی بی کی خوب خاطریں ہوئیں۔ ان کو نہلایا جاتا، دُھلایا جاتا تھا۔ میاں احمد مرزا بھی باہر آتے جاتے سلام کرتے تھے۔ بچے ذرا سا بھی غُل مچاتے تو بیسیوں فضیحتیں سنتے۔ جانتا تھا کہ پکا پان ہے آج نہ مری کل مری۔ ان پر قبضہ ہوجائے مگر بُڑھیا کی پرانی ہڈیاں تھیں۔ پانچ سیر کا گھی کھایا تھا وہ ایسی جلدی کیوں مرتی۔ اُس کی تو اِس بڑھاپے میں مٹی خراب ہونی تھی۔ غرض کہ جب بڑی بی نے مرنے کا نام نہ لیا اور ان کی ہر چیز پر آمنہ اور اس کے شوہر کا تسلط ہوگیا تو بال پڑے مٹکے کی طرح غریب کو باورچی خانے کے پاس ایک کوٹھڑی میں ڈال دیا۔

چند روز تک تو بُڑھیا اپنی حالت پر روتی رہی پھر اسے صبر آگیا۔ دو چار پرانی چیزیں جو اس نے اپنی کوٹھڑی میں رکھ لی تھیں اور جن کی اب وہ مالک تھی ان سے دل بہلانے لگی۔ گھنٹوں ایک ایک چیز کو دیکھتی اور آپ ہی آپ باتیں کرتی۔ یہ نہ سونے چاندی کے برتن تھے نہ قیمتی زیورات، نہ کوئی کم خواب و زربفت کا لباس تھا، نہ دولت کے مخفی خزانے لیکن بڑھیا کے لیے یہ سب اَنمل بے جوڑ چیزیں اس کی زندگی کے افسانے کے دلچسپ ٹکڑے تھیں۔ کہیں اس کو اپنا بچپن کھیلتا نظر آتا تھا تو کہیں جوانی ۔ کسی شے میں وہ اپنی مرحوم

مسرتوں کو مسکراتے ہوئے دیکھتی تھی تو کسی میں اپنی اولاد کی مٹی ہوئی تصویریں اسے دکھائی دیتی تھیں گویا سوا سو برس کی ایک تاریخ تھی جس کا وہ بڑے انہماک کے ساتھ مطالعہ کرتی رہتی تھی۔

ان پرانی یادگار چیزوں میں سب سے زیادہ دلچسپ اور اس کی سوانح حیات کا سب سے اہم باب ایک مرقع یا ہزار جامے کی دُلائی تھی، جسے سینکڑوں رنگ برنگ ٹکڑوں کو جوڑ کر بنایا گیا تھا۔ کپڑے کی کوئی قسم ایسی نہ ہوگی جس کی کوئی نہ کوئی کترن اس میں نہ ہو۔ سب ہی قسم کے نمونے اس میں موجود تھے۔ گویا کپڑوں کے آثارِ قدیمہ کی نمائش تھی۔ وضع قطع کے لحاظ سے اقلیدس کی ساری شکلیں مختلف پیمانوں میں موجود تھیں۔ بیچ میں ایک چوکور پیازی رنگ کا ریشمی ٹکڑا سلیقے سے ٹانکا گیا تھا۔ جب کبھی یہ سی گئی ہوگی تو دیکھنے والے اسے گدڑی نہیں بلکہ بناوٹ کا کرشمہ سمجھتے ہوں گے لیکن اب بڑی بی کے ساتھ اس کا رنگ روپ بھی رخصت ہوچکا تھا۔ جوڑوں پر سے ٹانکوں نے دانت نکوس دیے تھے۔ کہیں تانا ہی تانا رہ گیا تھا بانا غائب تھا۔ جگہ جگہ سے کیڑوں نے بھی اپنی خوراک حاصل کر لی تھی۔ اس دُلائی کو بڑی بی کی سب سے زیادہ چہیتی بیٹی آمنہ کی ماں رقیہ نے اپنی جوانی کا رنڈاپا بہلانے کے لیے سیا تھا۔ پرنانی کے مشورے بھی اس کے جوڑ ملانے اور ٹکڑوں کی ترتیب میں خاص اہمیت رکھتے تھے۔ اس کا ہر پیوند ماں بیٹیوں کی زندگی کا راز، شادی و غم کی تصویر، گونگے کا خواب اور آنکھوں سے گزرا ہوا ایک افسانہ تھا۔ اس لیے دوسرے نہ مٹنے والے داغوں کی طرح بُڑھیا اس کو بھی سینے سے لگائے رکھتی تھی۔

ایک دن کسی تقریب کے سلسلے میں سفیدی ہو رہی تھی۔ دنیا کے دِکھانے کے لیے آمنہ نے چاہا کہ بڑی بی کی کوٹھڑی بھی صاف کر دی جائے۔ چنانچہ اس نے سارا گڑ گودڑ باہر نکال پھینکا تو بے چاری بہت سٹپٹائی، روئی، چیخی، منتیں کیں مگر آمنہ کی منہ زوری اور سخت گیری کے سامنے ایک نہ چلی۔ اب اُدھر سفیدی ہو رہی تھی اور اِدھر غریب بے آس بڑھیا کونے کونے میں اپنی چیزوں کو ڈھونڈتی پھرتی تھی۔ سفیدی ہوگئی تو پرنانی اپنی کھٹیا پر جا بیٹھیں اور اپنے وقت کا زیادہ حصہ خاموش آنسو بہانے اور لمبے لمبے سانس لینے میں گزارنے لگیں۔ دقیانوسی خیال کے لوگوں کا قاعدہ ہے کہ وہ گھر کی پرانی چیزیں خواہ وہ کتنی ہی بے کار اور

فضول کیوں نہ ہوں ضائع نہیں کرتے اور "داشتہ آید بکار" کہہ کر کسی مکان یا کسی کونے کھدرے میں رکھ دیتے ہیں۔ اسی طرح آمنہ نے بھی گھر کی دوسری غیر ضروری چیزوں کے ساتھ بڑی بی کا گودڑ بھی سمیٹ کر کاٹ کباڑ کی کوٹھڑی میں ڈال دیا اور بات آئی گئی ہوئی۔

ایسی ایسی کئی تقریبیں آمنہ کے ہاں ہوئیں اور بڑی دھوم سے ہوئیں۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ خوب دل کھول کر روپیہ خرچ کیا۔ احمد مرزا کی اپنی کمائی ہوتی تو دل بھی دُکھتا۔ پرنانی بے چاری کا اثاثہ تھا۔ چند ہی روز میں بڑھیا کی جائیداد کا لگا لگ گیا۔ پہلے رہن کی، پھر فروخت ہوئی۔ صرف یہ رہنے کا مکان اور اس سے ملحق بازار کے رخ کی گیارہ دکانیں رہ گئیں۔ چھوٹے لڑکے کو گھوڑی چڑھانے کے لیے جو دو ہزار روپے قرض لیے تھے، اس کا تقاضا شروع ہوا۔ بڑی لڑکی کا کارِ خیر ضروری تھا۔ لڑکے والوں کا اصرار اور اپنے دل کی خوشی کا موقع کیوں کر ہاتھ سے دیا جاتا۔ فکر ہوئی کہ اس مکان کو بھی ایک دو تین کر دینا چاہیے۔ اتنے بڑے ڈھنڈار مکان کی کیا ضرورت ہے۔ لالہ جگومل نے پچاس ہزار لگائے ہیں۔ چالیس ہزار کی اچھے موقع کی جائیداد خرید لیں گے تو ڈھائی سو کا کرایہ ہوجائے گا۔ باقی دس ہزار میں قرض ادا کرنے کے بعد لڑکی وداع ہوجائے گی۔ خود قرول باغ میں سستا مکان لے کر جا رہیں گے۔ اللہ اللہ خیر سلا لیکن دشواری یہ تھی کہ اس کا قبالہ ان کے پاس نہ تھا اور بغیر قبالہ دیکھے خریدے کون؟

جب پانی گلے گلے آگیا اور قرض خواہوں نے ناک میں دم کر دیا تو پرنانی کی طرف متوجہ ہوئے۔ کوٹھڑی کا کونا کونا چھان مارا۔ بُڑھیا کا گڑ گودڑ دیکھ ڈالا۔ آخر کہنا ہی پڑا کہ "نانی اماں! تمھارے داماد کی آبرو پر بن گئی ہے۔ مکان کی بات چیت ہو رہی ہے۔ قبالہ دے دو گی تو جان بچ جائے گی ورنہ یہ زہر کھانے کو تیار بیٹھے ہیں"۔ مگر بڑھیا ٹس سے مس نہ ہوئی۔ غرض باؤلی ہوتی ہے۔ اب بڑی بی کی خاطریں ہونے لگیں۔ دونوں وقت آمنہ خود کھانا لے کر آتی اور جب تک بڑی بی کھاتیں وہ پاس بیٹھی ہوئی خوشامد کیا کرتی۔ آمنہ کے میاں بھی آتے جاتے مزاج پوچھتے اور دن میں ایک دو مرتبہ منت خوشامد سے قبالے کی بابت دریافت کرتے۔ پرنانی ٹھنڈے سانس بھرتیں اور کبھی کچھ کہہ دیتیں کبھی کچھ۔ اسی طرح کئی ہفتے گزر گئے۔ ایک دن صبح کو آمنہ اور اس کا

خاوند دونوں مل کر پرنانی کے پاس گئے اور حد سے زیادہ گڑگڑائے تو بُڑھیا نے صرف اتنا کہا کہ جنھیں تم نے چیتھڑے جان کر پھینک دیا تھا وہ سب مکانوں کے قبالے تھے۔ انھی میں اس مکان کا کاغذ بھی تھا، وہ لا دو تو نکال دوں۔ ان باتوں سے دونوں میاں بیوی مایوس ہوگئے اور مطلب برآری کی دوسری ترکیبیں سوچنے لگے۔

کاٹ کباڑ کی کوٹھڑی میں اتفاق سے بلی نے بچے دیے۔ سارے بچے کوٹھڑی میں جا گھسے۔ بلی کے بچوں کی تلاش میں جو ٹوٹی پھوٹی چیزوں کو ادھر ادھر کیا تو ایک کونے میں پرنانی کی دُلائی پڑی تھی۔ آمنہ کی چھوٹی لڑکی نصیرہ کو اور بہن بھائیوں کے خلاف پرنانی سے قدرتی لگاؤ تھا۔ یہ دلائی کو لے کر سیدھی پرنانی کے پاس پہنچی اور کہنے لگی۔ "نانی اماں! آپ کی دلائی مل گئی۔ نہ جانے کس نے کوٹھڑی میں ڈال دی تھی"۔ بڑھیا کے بدن میں دلائی دیکھتے ہی جان سی آگئی۔ دلائی کو کلیجے سے لگایا اور نصیرہ کو لاکھوں دعائیں دیں۔

دلائی کے چھن جانے سے پرنانی کے بڑھاپے میں جو دیوانگی سی پیدا ہوگئی تھی، کم ہو چلی۔ اس کا کرب اور بے چینی سکون میں بدل گیا۔ کہتی: "بیٹی! یہ کپڑے کے ٹکڑے نہیں ہیں میرے کلیجے کے پُرزے ہیں"۔

بڑی بی کے خیالات کا سیریل یہیں تک پہنچا تھا کہ آمنہ اپنے شوہر کے ساتھ اس کے پاس آئی۔ انھوں نے ایک دفعہ اور قبالے کی بابت دریافت کرنا چاہا اور اس دفعہ بڑی بی کو پُر امن زندگی اور نصیرہ سے گھُل مل کر باتیں کرتے دیکھ کر وہ سمجھے تھے کہ اب بڑھیا ہوش کی باتیں کرنے لگی ہے۔ تقدیر سیدھی ہے تو دولت کے خزانے کی کنجی بتا دے گی۔ یہاں آکر جو دیکھا تو بڑی بی دیوار کی طرف ٹکٹکی لگائے کبھی بسورتی ہیں اور کبھی مسکراتی ہیں۔ گدڑی کو چھاتی سے لگا رکھا ہے۔ آمنہ حیران ہے کہ میں نے تو اسے اُپلوں کی کوٹھڑی میں ڈلوا دیا تھا یہاں کیوں کر آگئی۔ مصنوعی ہنسی ہنستے ہوئے بولی۔ "نانی اماں! پھر تم اس منحوس دُلائی کو منگوا بیٹھیں۔ ایسے کیا اس میں لعل جڑے ہوئے ہیں جو کسی آن چھوڑتی ہی نہیں۔ دیکھو تو سہی، موئی میں سے کیسی سڑی ہوئی بو آرہی ہے۔ نصیرہ جا الگنی پر سے ساٹن کی دُلائی اُتار لا اور نانی اماں کو اُڑھا دے"۔ نصیرہ دوڑ کر ساٹن کی دُلائی لے آئی۔ آمنہ نے یہ دلائی بُڑھیا کو اُڑھا کر اس کی گدڑی چھین لی اور نصیرہ کو دے کر کہا، جا

awazeinqilab.com

اسے کوڑے پر ڈال دے۔

دو چار منٹ تو پرنانی اس آفتِ ناگہانی کا مقابلہ کر سکیں۔ نصیرہ کی طرف ہاتھ بڑھائے چپ چاپ دیکھتی رہیں۔ پھر ایک ٹھنڈا سانس لے کر کہا۔ ''بیٹی میری جان نہ نکال۔ اس میں میرے بہت سے پھولوں کی بُو بسی ہوئی ہے۔ جیتے جی اس کو مجھ سے نہ چھینو۔ صبح کا چراغ ہوں پھونک مار کر کیوں بجھاتے ہو، خود بجھ جائے گا۔'' یہ ایسی باتیں تھیں کہ آمنہ سی سنگ دل کے بھی آنسو نکل پڑے اور احمد مرزا جیسا مطلب کا بندہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ آمنہ نے نانی کے گلے میں باہیں ڈال دیں۔ خون میں اُبال آیا۔ آنکھوں نے سچی محبت کا اظہار کیا اور بھرے دل کو ضبط کر کے بولی: ''نانی اماں! میں نے آج تک جو تمھارے ساتھ خطائیں کی ہیں اپنی بیٹی رقیہ کے صدقے میں معاف کر دو۔ میں شرمندہ ہوں کہ میں نے تمھارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا۔ میں تم سے قبالہ کبھی نہیں مانگوں گی۔ تم کڑھو نہیں۔'' دل کو دل سے راہ ہوتی ہے۔ آنسو اگر جھوٹے نہ ہوں تو بڑی قیمت رکھتے ہیں۔ بڑی بی کو معلوم ہوا کہ اس کی دُنیا بدل گئی ہے۔ اس کو آمنہ میں جنت کی حور نظر آئی اور اس نے اپنے تھرتھراتے ہوئے ہاتھوں سے اس کی بلائیں لیں، گلے لگایا اور پیار کیا۔ یہ منظر دیکھ کر احمد مرزا بھی ننھیا ساس کے قدموں پر گر پڑے اور اپنی خطاؤں کا اعتراف کیا۔ بڑی بی نے انھیں بھی دعائیں دیں۔

نصیرہ نے اپنی زندگی میں یہ نیا تماشا دیکھا۔ وہ کبھی دوسری کو روتا دیکھ کر رونی صورت بنا لیتی تھی۔ کبھی بے چین ہو کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگتی تھی۔ جب ندامت اور خوشامد گلے مل چکیں اور نصیرہ نے اپنی اماں کو یہ کہتے ہوئے کہ ''نانی اماں! اب تو آپ ناراض نہیں۔ کھاؤ میری جان کی قسم اور پرنانی کا یہ جواب کہ ''نہیں آمنہ! تیری جان کی قسم میں تم سب سے خوش ہوں۔ میرا تمھارے سوا ہے کون'' سنا۔ اپنی اماں سے پوچھنے لگی کہ ''اماں! نانی کو دلائی دے دوں۔ اب تو ملاپ ہو گیا۔'' ماں نے بیٹی کی طرف اور نانی نے نواسی کی جانب ایک عجیب انداز سے دیکھا۔ آمنہ نے نصیرہ سے تو کچھ کہا نہیں۔ نانی سے بولی ''نانی اماں جانے بھی دو اس گودڑ کا کیا کرو گی''۔ ''نہیں بیٹے رہنے دو۔ تمھاری ماں کی یادگار ہے''۔ بُڑھیا نے کہا اور نصیرہ پر نظر ڈالی۔ نصیرہ دلائی کو دبوچ کر لائی۔

بڑھیا کی ساری افسردگی دُور ہو گئی تھی۔ اس کا خیال بدل چکا تھا۔ وہ مرنے سے پہلے مکان کا بوجھ بھی اپنی چھاتی پر سے ہٹانا چاہتی تھی۔ اسے یقین تھا کہ آمنہ اور اس کا فضول خرچ شوہر اب سنبھل جائیں گے۔ اس لیے اس نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔ ''لاؤ دلائی میرے سامنے رکھو۔ میں اس بڑے ٹکڑے کا بھی قصہ سنا دوں اور دلائی لے کر بڑے ٹکڑے کو اُدھیڑتے ہی کہا۔ ''بچو! یہ ہزار جامے کی دُلائی نہیں ہے بلکہ ہزار داستان ہے۔ پیازی رنگ کے ٹکڑے کو الگ کر کے ہبہ نامہ ہاتھ میں لے کر کہا یہ اس کی قبر تھی۔ لو نانی صدقے اور نانی کا مکان تم پر صدقے لیکن دوسری جائیداد کی طرح اس کی بربادی کے پیچھے نہ پڑنا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ سر چھپانے کا یہ جھونپڑا اور روٹی کھانے کا سہارا بھی چلا جائے۔ اللہ تم کو اس میں آباد رکھے اور تم اپنے بچوں کا سُکھ دیکھو۔''

(دلّی کی چند عجیب ہستیاں)

مشق

ا۔ درست جواب کے شروع میں (✓) کا نشان لگائیں۔

(الف) انگریزوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کر کے کہاں بھیجا؟

(i) رنگون (ii) انگلستان (iii) مالدیپ (iv) سری لنکا

(ب) آمنہ کے خاوند کا کیا نام تھا؟

(i) سخاوت علی (ii) میاں منظور مرزا (iii) میاں احمد مرزا (iv) باسط علی مرزا

(ج) آمنہ کی والدہ کا کیا نام تھا؟

(i) راشدہ (ii) رقیہ (iii) نصیرہ (iv) شاہدہ

(د) آمنہ کا ''پرنانی'' سے کیا رشتہ تھا؟

(i) آمنہ کی پرنانی تھی۔ (ii) آمنہ کی نانی تھیں۔

(iii) آمنہ کی دادی تھیں۔ (iv) آمنہ کی نانی کی بہن تھیں۔

awazeinqilab.com

(ہ) گھر میں کون سی بچی "پرنانی" کا زیادہ خیال کرتی تھی؟

(i) سلمٰی (ii) کریما (iii) نصیرہ (iv) آمنہ

۲۔ کہانی کا خلاصہ اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۳۔ خلاف روزمرہ فقرے درست کریں۔

ا۔ آج صبح سے سر کے اندر درد ہو رہا ہے۔

ب۔ اس کے سر کے اوپر غموں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔

ج۔ فی الحقیقت میں دلائی ہبہ نامے کی تجوری تھی۔

د۔ تم کبھی جھوٹ نہیں بولنا۔

۴۔ ان الفاظ و تراکیب کے معنی بتائیں۔

کُٹم۔ فنا کی آندھی۔ ڈھنڈار مکان۔ تسلّط۔ بال پڑا مٹکا۔ کم خواب و زربفت۔
انہماک۔ مرقّع۔ آثارِ قدیمہ۔ دقیانوسی خیال۔ قبالہ۔ حلال خوری۔

۵۔ درج ذیل کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ مفہوم واضح ہو جائے۔

خون میں اُبال آنا۔ اللّے تللّے کرنا۔ آفتِ ناگہانی۔ ناک میں دم کر دینا۔ بلائیں لینا۔ بڑھاپے میں مٹی خراب ہونا۔ مالِ مفت دلِ بے رحم۔ دقیانوسی خیال۔

۶۔ مندرجہ ذیل جملوں کی ترکیبِ نحوی کریں۔ *

ا۔ حمید کا بھائی بیمار ہے۔

ب۔ عبداللہ اور شہریار نیک ہیں۔

ج۔ پاکیزہ نے پھول توڑا۔

د۔ طلحہ نے پودا لگایا۔

ہ۔ یہ آم میٹھا ہے۔

و۔ ہارون اور عامر عقل مند ہیں۔

* جملہ اسمیہ اور جملہ فعلیہ کی ترکیب نحوی کرنے کی مثالیں:

آپ پڑھ چکے ہیں کہ جملہ اسمیہ کے اجزا یہ ہیں۔ (مبتدا، خبر اور فعلِ ناقص)
اور جملہ فعلیہ کے اجزا یہ ہیں۔ (فاعل، علامتِ فاعل، مفعول اور فعل)
جملہ اسمیہ کی ترکیب نحوی یوں ہو گی۔

مثال نمبر (i) گلاب کا پھول خوبصورت ہے۔

ترکیبِ نحوی:

گلاب	=	مضاف الیہ	مبتدا	مُسند الیہ	یہ جملہ اسمیہ کی مثال ہے۔
کا	=	حرفِ اضافت			
پھول	=	مضاف			
خوبصورت	=	خبر		مُسند	
ہے	=	فعلِ ناقص			

مثال نمبر (ii) حرا اور ردا ذہین ہیں۔

ترکیبِ نحوی:

حرا	=	معطوف علیہ	مبتدا	مُسند الیہ	یہ جملہ اسمیہ کی مثال ہے
اور	=	حرفِ عطف			
ردا	=	معطوف			
ذہین	=	خبر		مُسند	
ہیں	=	فعلِ ناقص			

مثال نمبر (iii) عفّان نے دودھ پیا۔

عفّان	=	فاعل	مُسند الیہ	یہ جملہ فعلیہ کی مثال ہے۔
نے	=	علامتِ فاعل		
دودھ	=	مفعول	مُسند	
پیا	=	فعل		

awazeinqilab.com

مثال نمبر (iv) فائزہ نے کتاب خریدی۔

ترکیبِ نحوی:

فائزہ	=	فاعل	مُسند الیہ
نے	=	علامتِ فاعل	
کتاب	=	مفعول	مُسند
خریدی	=	فعل	

یہ جملہ فعلیہ کی مثال ہے۔

روز مرّہ اور محاورہ: دو یا دو سے زائد الفاظ کا مجموعہ جو اہلِ زبان کی بول چال کے مطابق ہو اور اپنے حقیقی معنوں میں استعمال ہوا ہو، روز مرّہ کہلاتا ہے جیسے: ''وہ آئے دن سکول سے غیر حاضر رہتا ہے۔'' اس جملے میں ''آئے دن'' کی جگہ ''آئے روز'' لکھنے سے معنی فرق نہیں آئے گا مگر یہ جملہ اہل زبان کی بول چال کے مطابق نہیں ہے اس لیے درست نہیں ہوگا۔ اسی طرح ''محاورہ'' دو یا دو سے زائد الفاظ کے اُس مجموعے کو کہتے ہیں جو اہلِ زبان حقیقی معنوں کے بجائے مجازی معنوں میں استعمال کرتے ہیں جیسے: ''سر پر چڑھنا'' کے حقیقی معنی سر کے اُوپر چڑھ جانا ہے جب کہ مجازی معنوں میں اِس سے مراد گستاخ یا بدتمیز ہونا ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ کتاب میں شامل اشرف صبوحی کے اسی مضمون کی روشنی میں اُن کے فن پر نوٹ لکھیں۔

۲۔ طلبہ اپنی کاپی میں ''والدین کا احترام'' کے موضوع پر ڈھائی صفحے کا مضمون لکھیں اور اُستاد صاحب / اُستانی صاحبہ کی مدد سے قرآن وسنت کا حوالہ بھی دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ والدین سے حسن سلوک کے متعلق طلبہ کو قرآنی آیات اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے حوالے دے کر سمجھائیں مثلاً سورۂ بنی اسرائیل آیت ۲۳ کے مطابق: ''تم والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ اگر ان میں سے ایک یا دونوں تیرے سامنے بڑھاپے کو پہنچ جائیں تو کبھی ان کو ''اُف'' مت کہنا اور نہ جھڑکنا اور ان سے نرمی سے بات کرنا۔''

۲۔ سکول کی لائبریری سے اپنے مطالعے کے لیے مفید کتب کے انتخاب میں طلبہ کی مدد کریں۔ نیز حقوق العباد سے متعلق مضامین پڑھنے کے لیے اُنھیں ترغیب دیں۔

ڈاکٹر وحید قریشی

ولادت: ۱۹۲۵ء // وفات: ۲۰۰۹ء

ڈاکٹر وحید قریشی کا اصل نام عبدالوحید تھا۔ ان کے والد عبداللطیف قریشی گجرانوالہ کے رہنے والے تھے۔ ڈاکٹر صاحب نے گجرانوالہ میں تعلیم پائی۔ شاعری میں صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم سے اصلاح لیتے رہے۔ وہ بطورِ پروفیسر، بطورِ ڈائریکٹر اقبال اکیڈمی کے صدر نشین مقتدرہ قومی زبان اسلام آباد، سربراہِ مجلسِ ترقی ادب اور سربراہِ قائداعظم لائبریری لاہور جیسے ذمہ دار عہدوں پر مدتوں خدمات انجام دیتے رہے۔ تخلیقی میدان میں انھوں نے کارہائے نمایاں انجام دیے۔ تحقیق میں انھوں نے استدلالی انداز اپنایا۔ وہ ایک محقق، نقاد، مؤرّخ، ماہر لسانیات، ماہر ثقافت اور کالم نگار تھے۔ ان کی ہمہ جہت شخصیت جہدِ مسلسل کی ایک داستان ہے۔ انھوں نے منطقی انداز سے حقائق کی تلاش کا طریقہ اختیار کیا۔ وہ پُرگو شاعر بھی تھے۔ شاعری میں ان کے تین مجموعے ''الواح''، ''نقدِ جان'' اور ''ڈھلتی عمر کے نوحے'' منظر عام پر آچکے ہیں۔ نثر میں انھوں نے نظریۂ پاکستان، قائداعظم اور پاکستانی معاشرے کے حوالے سے کئی کتب تصنیف کیں۔

اقبالیات پر ان کی گراں قدر خدمات کا اعتراف کرتے ہوئے حکومتِ پاکستان نے ۲۰۰۳ء میں انھیں اقبال ایوارڈ سے نوازا۔ انھیں اردو زبان سے بے پناہ محبت تھی اردو زبان کی ترویج اور عملی طور پر اُردو کو سرکاری زبان کا درجہ دینے کے لیے عمر بھر کوشش کرتے رہے۔

تصانیف

جدیدیت کی تلاش میں۔ افسانوی ادب۔ اقبال اور پاکستانی قومیت۔ اساسیاتِ اقبال۔ میر حسن اور ان کا زمانہ۔ مطالعۂ حالی۔ کلاسیکی ادب کا تحقیقی مطالعہ، نذرِ غالب۔ اردو نثر کے میلانات وغیرہ۔

awazeinqilab.com

ڈاکٹر وحید قریشی

علاّمہ اقبالؒ کا تصوّرِ وطنیّت

حاصلاتِ تعلّم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ توجہ سے سُن کر اپنے رَدِّ عمل کا ترتیب وار اظہار کر سکیں۔ ۲۔ مطالعہ کی عادت کو پروان چڑھایا جا سکے۔
۳۔ کوئی مضمون لکھتے وقت جامع انداز میں تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکیں۔ ۴۔ عام ضرورت کے فارم پُر کر سکیں۔
۵۔ مباحثوں اور مذاکروں میں موضوع کے حق یا مخالفت میں حصّہ لے سکیں۔ ۶۔ عبارت سے ذومعنی الفاظ کو الگ الگ کر سکیں۔

پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے اور حصولِ پاکستان کی جدوجہد کا بنیادی محور یہ احساس تھا کہ ایک ایسا خطۂ ارض وجود میں آئے جو اسلام کی تجربہ گاہ ہو اور اس اعتبار سے جغرافیائی حدود کا مطالبہ، اسلامی قدروں کے نفاذ کا مسئلہ قرار پاتا ہے۔ مغربی تصورِ وطنیت اور اسلام کے تصورِ ملّت کے درمیان کیا فرق ہے؟

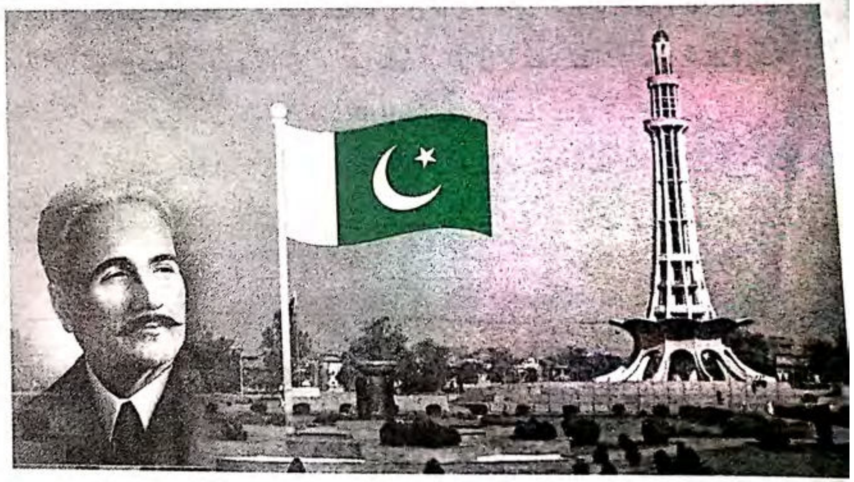

awazeinqilab.com

مغرب میں قومیت کا تصور چند بنیادی اُمور پر مشتمل ہے۔ رنگ ونسل، زبان اور جغرافیہ وہ وحدتیں ہیں جن سے مختلف ملکوں کے باشندے اپنا قومی تشخص متعیّن کرتے ہیں۔ اقبالؒ کے نزدیک مغرب کا تصورِ وطنیت جب ایک نصب العین کی صورت اختیار کرتا ہے تو اسلام کی بنیادی روح سے متصادم ہو جاتا ہے کیونکہ اسلام بنی نوع انسان کی وہ وحدت ہے جو رنگ ونسل وزبان سے بالاتر ہے۔ شروع شروع میں علامہ اقبالؒ مغرب کے تصورِ وطنیت کے قائل تھے اور اُنھوں نے وطن کے تصور کو ''بانگِ درا'' کی بعض نظموں میں ایک روحانی رنگ بھی دیا لیکن بہت جلد وہ اس اثر سے نکل آئے اور وطنیت کے مغربی تصور کی کھلم کھلا مخالفت کی۔ اُنھوں نے وطن کو جغرافیے کی قیود سے آزاد کر کے ایک فکری ضابطے کے طور پر ترتیب دیا۔ ان کی رائے میں:

پاک ہے گردِ وطن سے سرِ داماں تیرا
تو وہ یوسف ہے کہ ہر مصر ہے کنعاں تیرا

یہ شعر بظاہر ملک کے جغرافیائی خدوخال کی مخالفت کرتا ہے۔ جب ہم پاکستان یا پاکستانی قومیت کی بات کرتے ہیں تو اس شعر کے معانی و مطالب ہمیں یہ سوچنے پر مجبور کرتے ہیں کہ آیا اقبالؒ وطن کی محبت کو تسلیم بھی کرتے ہیں یا نہیں؟ دوسری طرف خود تصورِ پاکستان کے داعی کی حیثیت سے علامہ اقبالؒ کی ایک خاص اہمیت ہے اور اُنھوں نے ۱۹۳۰ء میں مسلم لیگ کے صدارتی خطبے میں تصور پاکستان کی جھلک ایک امکانی صورت کے طور پر دیکھی تھی۔

علامہ اقبالؒ کے ہاں وہ تصورِ وطنیت جس کا آغاز ان کے ہاں جغرافیائی بنیاد سے ہوا تھا اور جس کی پہلی واضح صورت دھرتی پوجا کے طور پر سامنے آئی تھی، اسے بہت جلد ترک کر کے علاّمہ نے اسلام کے ضابطۂ حیات کے حوالے سے وطن کے تصور پر غور کرنا شروع کیا۔ اُنھوں نے قائداعظمؒ کے نام اپنے خطوط میں سیاسی پلیٹ فارم سے پاکستان کا مطالبہ پیش کرنے کی تجویز پیش فرمائی۔

پاکستان وجود میں آیا تو آبادیوں کی تبدیلیاں ہوئیں، مقامی اور مہاجر کے امتیازات اُبھرے اور تہذیبی سطح پر تغیّر وتبدّل کے کئی پہلو ظاہر ہوئے۔ حصولِ پاکستان سے پہلے یہ علاقہ وسیع تر برصغیر کا سیاسی حصہ

تھا اور یہاں کے بسنے والے مسلمان "ہندی مسلمان" کہلاتے تھے۔ اب اس برِصغیر میں دو بڑے ملک ہیں بھارت اور پاکستان۔ دونوں ممالک میں مسلمان موجود ہیں۔ اس لحاظ سے بھارت کے مسلمان اور پاکستان کے مسلمان الگ الگ ملکوں کے باشندے ہیں، یعنی ہندی مسلمان الگ اور پاکستانی مسلمان الگ، تو ان میں اور پاکستان کے مسلمانوں میں فکر ونظر کی کون کون سی مشابہتیں اور کون کون سے اختلافات پیدا ہو چکے ہیں؟ پاکستانی مسلمانوں کا قومی رشتہ بھارت کے مسلمانوں اور دیگر مسلم ممالک کے ساتھ کیا ہے؟

پاکستان کے وجود میں آنے کے بعد یہ مسئلہ اہم ہے کہ آیا مغرب کے وطنی تصور کو قبول کرنا ہوگا یا اسے رد کر کے اپنے تشخص کو ملّی عزائم کے ساتھ منسلک کیا جا سکتا ہے؟

پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے۔ مختلف مسلمان ممالک میں یہ لسانی اختلاف موجود ہے۔ ایران میں فارسی، عرب ممالک میں عربی، پاکستان میں اُردو، انڈونیشیا میں انڈونیشیائی زبانیں ملکی اور قومی سطح پر چل رہی ہیں تو پھر اس بات کی تلاش ضروری ہے کہ مسلمانوں کی تہذیبی زندگی میں زبانوں کی کیا اہمیت رہی ہے اور زبانوں کے بارے میں تیرہ سو سال میں مسلمانوں کا رویہ کیا رہا ہے؟

ان سوالوں کے علاوہ بھی بہت سے سوال سامنے آتے ہیں جن کے صحیح حل پر ہماری قومیت کی بنیادیں اُستوار ہو سکتی ہیں۔ لیکن اتنے اُلجھے ہوئے سوالات کا کوئی مختصر سا جواب تو ممکن نہیں، ہاں! غور وفکر کے لیے بعض راہیں ضرور متعین کی جا سکتی ہیں۔

علامہؒ نے اشعار میں جا بجا وطنیت کے مغربی تصور کی مخالفت کی ہے۔ اس کے علاوہ ان کی نثری تحریروں میں بھی مسلمان ممالک کی عمرانی تاریخ کی مدد سے مسلمانوں کے تصورِ وطنیت کے بارے میں بعض بنیادی تصورات ملتے ہیں۔ اس مرحلے پر جغرافیے اور مجرّد تصورات کے درمیان ربط کی تلاش ہمیں پاکستانی قومیت کی اصل بنیاد تک لے جا سکتی ہے۔

سورۃ الحجرات سے واضح ہے کہ ذاتیں اور خاندان محض شناخت کے لیے ہیں، اصلی شرف وفضیلت کا معیار نسب نہیں، تقویٰ ہے۔ علامہ اقبالؒ اسی پر زور دیتے ہیں اور شعوبی، قبائلی، نسلی، لونی اور لسانی امتیازات پر اسلامی نصب العین کی فوقیت تسلیم کرتے ہیں، اور یہی وہ مرکزی نکتہ ہے جہاں سے ہم مذکورہ بالا مسائل کو حل

کر سکتے ہیں۔ باقی رہا لسانی مسئلہ تو اسلام کی عمرانی تاریخ کے مطالعے میں اس کا جواب موجود ہے۔ زبانیں اظہار کا وسیلہ ہیں۔ صدیوں تک تمدنی سطح پر ترجیحات کا ایک اُصول قائم رہا ہے جس کی رُو سے عربی کو قرآن پاک کی زبان ہونے کی وجہ سے فوقیت حاصل تھی۔ عالمِ اسلام کی ثقافتی زبان فارسی تھی۔ مسلمان جس ملک میں بھی گئے وہاں کی زبان کو انھوں نے اظہار کا وسیلہ بنایا۔ جس علاقے میں پہنچے وہاں کی علاقائی زبان ان کے لیے تبلیغ وہدایت کا ذریعہ بنی۔ زبان کے ساتھ پرستش کا کوئی شائبہ شامل نہیں کیا گیا، نہ ملکی اور علاقائی زبانوں کے درمیان کسی مناقشت کی خبر ملتی ہے۔ بیسویں صدی سے قبل عالمِ اسلام میں زبانیں جھگڑے کا سبب نہیں تھیں کیونکہ اصل اہمیت زبانوں کو نہیں مطالب کو حاصل رہی۔ زبان، اظہار کا وسیلہ ہے۔ وسیلہ اگر مقصد بن جائے تو اس سے کتنی ہی خرابیاں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہمارے لسانی مسائل میں یہی خرابیاں راہ پا چکی ہیں اور فکرِ اقبالؒ سے ہم ان پر غلبہ پا سکتے ہیں۔ (اساسیاتِ اقبالؒ)

مشق

اساسیات اقبال

۱۔ درست الفاظ کی مدد سے خالی جگہوں کو پُر کریں۔

(الف) پاکستان ایک نظریاتی مملکت ہے۔

(ب) عالمِ اسلام کی ثقافتی زبان فارسی رہی ہے۔

(ج) پاکستان کی قومی زبان اُردو ہے۔

(د) زبانیں اظہار کا وسیلہ ہیں مقصود نہیں کہ ان کی پوجا کی جائے۔

(ہ) اصلی شرف وفضیلت کا معیار نسب نہیں تقویٰ ہے۔

۲۔ مغرب کے تصورِ وطنیت اور اسلامی نظریۂ قومیت کے درمیان بنیادی فرق وامتیاز کیا ہے؟

۳۔ اقبالؒ زبان پرستی اور وطن پرستی کے کیوں مخالف تھے؟

۴۔ اس جملے کا مطلب واضح کریں۔

"اصل اہمیت زبانوں کو نہیں مطالب کو حاصل رہی۔"

awazeinqilab.com

۵۔ سورۂ الحجرات میں شعوب و قبائل کا اصل مقصد کیا بیان کیا گیا ہے؟

۶۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو جائے۔
نصب العین، متصادم، خدوخال، دھرتی پوجا، تغیر و تبدل، لسانی اختلافات، سرچشمہ، ثانوی حیثیت۔

۷۔ نیچے دی ہوئی عبارت کو غور سے پڑھیں۔ اس میں ذو معنی الفاظ موجود ہیں۔
آپ ان الفاظ کو اس عبارت میں سے چُن کر انھیں اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ دونوں مطالب واضح ہو جائیں۔ *

عبارت: ''ان دنوں زہیر دمشق میں تھا۔ ایک بار اس نے ایک کتاب میں پڑھا تھا کہ ملک شام میں ایک پہاڑی علاقے میں سونے کی ایک کان موجود ہے۔ اس نے سامان سفر اونٹ پر بار کیا اور خزانے کی تلاش میں چل دیا۔ شام کا اندھیرا ہونے سے پہلے وہ اس علاقے میں پہنچ گیا۔ اچانک ایک جھاڑی سے ایک زخمی ہرن نکلا جو زیادہ تیز نہیں دوڑ سکتا تھا۔ زہیر نے اسے پکڑ کر تیز چھری سے ذبح کیا اور اس کا گوشت مزے سے کھایا۔ اس کا خیال تھا کہ کل صبح اپنے کام کا آغاز کر دے گا لیکن یہ جان کر اسے پریشانی ہوئی کہ خزانے کی نشان دہی کرنے والی مشین کی کوئی کل خراب تھی۔ وہ دیا جلا کر اسے ٹھیک کرنے لگا۔ جلد ہی اسے کامیابی مل گئی تو اس کی جان میں جان آئی۔ اس رات اس کے کان میں ہلکا ہلکا درد ہو رہا تھا۔ اس لیے اسے آرام سے سونے کا موقع کم ہی ملا''۔

۸۔ نیچے دیے گئے جملوں میں محاوروں کی درستی کریں۔

ا۔ یہاں تو اُلٹی جمنا بہہ رہی ہے۔

ب۔ اُس نے تو اپنے پاؤں پر خود ہتھوڑا مارا ہے۔

ج۔ ہر کوئی اپنا بھالو سیدھا کرنے میں لگا ہے۔

د۔ تم نے جیسے جلتی پر پانی ڈال دیا۔

* ذو معنی الفاظ: ایسے الفاظ کو کہا جاتا ہے جن کے دو مختلف معنی ہوں جیسے ''ہار'' جس کا ایک مطلب ہے پھولوں کا ہار، دوسرا مطلب ہے شکست۔

مضمون:

مضمون کے لغوی معنی ہیں: ''ضمن میں لیا ہوا''۔ ادبی اصطلاح میں مضمون سے مراد ایسی معلوماتی تحریر ہے جو زندگی کے حقائق اور مسائل پر ادبی انداز میں لکھی گئی ہو۔ مضمون میں کسی بھی متعین موضوع پر مدلّل، سنجیدہ اور معروضی بحث کے ذریعے کوئی حقیقت، خیال یا نقطۂ نظر کو قاری تک پہنچایا جاتا ہے۔ مضمون ہمیشہ تین حصّوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

۱۔ تمہید ۲۔ نفسِ مضمون ۳۔ خاتمہ

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ علامہ اقبالؒ کے چند ایسے اشعار جو ملّتِ اسلامیہ کے اتحاد کے حوالے سے ہوں، ایک چارٹ پر خوش خط لکھیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

۲۔ طلبہ اپنی کاپی میں علامہ اقبالؒ کے چند مجموعہ ہائے کلام کے نام خوش خط لکھیں۔

۳۔ طلبہ سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۱۳ مع ترجمہ ایک چارٹ پر خوشخط لکھیں اور اِسے کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔

ہدایات برائے اساتذۂ کرام

۱۔ طلبہ کے مابین علامہ اقبالؒ کی شاعری کے کسی موضوع پر تقریری مقابلہ کرائیں۔

ایک ہوں مسلم حرم کی پاسبانی کے لیے
نیل کے ساحل سے لے کر تابخاکِ کاشغر

۲۔ اِس شعر کو مدِّ نظر رکھ کر اقبالؒ کے تصورِ ملّت پر طلبہ کو مفصل لیکچر دیں اور اختتام پر اس کے متعلق اُن سے سوالات کریں۔

۳۔ طلبہ کو منی آرڈر فارم پُر کرنے کا طریقہ سمجھائیں۔

awazeinqilab.com

سجاد حیدر یلدرم

ولادت: ۱۸۸۰ء / وفات: ۱۹۴۳ء

سجاد حیدر یلدرم کا نام اردو ادب میں ایک خاص طرزِ نگارش سے منسوب ہے۔ انھوں نے علی گڑھ کالج میں تعلیم پائی تھی۔ پہلے نواب اسماعیل خان تعلقہ دار میرٹھ اور پھر مہاراجا صاحب محمود آباد کے پرائیویٹ سیکرٹری رہے۔ اس کے بعد گورنمنٹ کے اسسٹنٹ پولٹیکل ایجنٹ ہوکر برطانوی سفارت خانے بغداد میں کام کرتے رہے۔ بغداد سے واپسی پر یو۔پی میں گورنمنٹ نے انھیں ڈپٹی کلکٹر کے عہدے پر فائز کیا۔ کچھ عرصہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ میں رجسٹرار رہے۔ ملازمت سے سبکدوش ہونے کے بعد انتقال کیا۔

ان کا طرزِ نگارش چست تراکیب سے عبارت ہے۔ سجاد حیدر اردو میں ادبِ لطیف کے موجد ہیں۔ ان کے افسانوں اور مضامین کا مجموعہ ''خیالستان'' کے نام سے دنیائے ادب میں کافی شہرت رکھتا ہے۔ انھوں نے اردو افسانہ نگاری کو خوبصورت ترجموں سے مالا مال کیا۔

ان کے افسانوں میں تین خصوصیات ہیں۔ پہلی خصوصیت تو وہ نفسیاتی نقطۂ نظر ہے جو افسانے کے ہر حصے میں یکساں طور پر نمایاں رہتا ہے۔ دوسری خصوصیت رومان ہے۔ وہ ایک رومانی افسانہ نگار ہیں۔ خیالی پیکر بنانے اور اس کے گرد رومانی فضا پیدا کرنے میں انھیں خاص کمال حاصل ہے۔ تیسری خصوصیت جذباتِ لطیف کی مصوری ہے۔ انھی خصوصیات نے سجاد حیدر کو بیسویں صدی کا شگفتہ قلم کار اور ادیب بنایا۔

تصانیف خیالستان، ثالث بالخیر، جلال الدین خوارزم شاہ، حکایات اور احساسات۔

Not For Sale

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

حاصلاتِ تعلم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ کسی تحریر کے مرکزی خیال، اہم نکات، فکری و معنوی خوبیوں کو بیان کر سکیں۔
۲۔ کسی نثر پارے یا فن پارے کا خلاصہ لکھ سکیں۔
۳۔ مختلف رسائل میں کہانیاں اور مضامین پڑھ کر اس سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکے اور خود بھی عموی موضوعات پر لکھ سکیں۔
۴۔ عبارت میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مرسل کو پہچان سکیں۔
۵۔ سُن کر الفاظ و تراکیب، روزمرّوں و محاوروں اور علمِ بیان کی روشنی میں صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ دے سکیں۔

ایک دن میں دلّی کے چاندنی چوک میں سے گزر رہا تھا کہ میری نظر ایک فقیر پر پڑی جو بڑے مؤثر طریقے سے اپنی حالتِ زار لوگوں سے بیان کرتا جا رہا تھا۔ دو تین منٹ کے وقفہ کے بعد یہ درد سے بھری ہوئی اسپیچ انھیں الفاظ اور اسی پیرایہ میں دہرا دی جاتی تھی۔ یہ طرز کچھ مجھے ایسا خاص معلوم ہوا کہ میں اس شخص کو دیکھنے اور اس کے الفاظ سننے کے لیے ٹھہر گیا۔ اس فقیر کا قد لمبا، جسم خوب موٹا تازہ تھا اور چہرہ ایک حد تک خوبصورت ہوتا مگر بدمعاشی اور بے حیائی نے صورت مَسخ کر دی تھی۔ یہ تو اس کی شکل تھی۔ رہی اس کی صدا تو میں ایسا شقی القلب نہیں ہوں کہ صرف اس کا مختصر سا خلاصہ لکھوں۔ وہ اس قابل ہے کہ لفظ بہ لفظ لکھی جائے۔ چنانچہ وہ اسپیچ یا صدا جو کچھ کہیے یہ تھی۔

''اے بھائی مسلمانو! خدا کے لیے مجھ بدنصیب کا حال سنو! میں آفت کا مارا، سات بچوں کا باپ ہوں۔ اب روٹیوں کو محتاج ہوں اور اپنی مصیبت ایک ایک سے کہتا ہوں۔ میں بھیک نہیں مانگتا۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ اپنے وطن کو چلا جاؤں مگر کوئی خدا کا پیارا مجھے گھر بھی نہیں پہنچاتا۔ بھائی مسلمانو! میں غریب الوطن

Not For Sale

ہوں۔ میرا کوئی دوست نہیں۔ ہائے ! میرا کوئی دوست نہیں۔ اے خدا کے بندو! میری سنو۔ میں غریب الوطن ہوں''۔

فقیر تو یہ کہتا ہوا اور جن پر اس کے قصہ کا اثر ہوا، ان کی خیرات لیتا ہوا آگے بڑھ گیا لیکن میرے دل میں چند خیالات پیدا ہوئے اور میں نے اپنی حالت کا مقابلہ اس سے کیا اور مجھے خود تعجب ہوا کہ اکثر امور میں، مَیں نے اس کو اپنے سے اچھا پایا۔ یہ صحیح ہے کہ میں کام کرتا ہوں اور وہ مفت خوری سے دن گزارتا ہے نیز یہ کہ میں نے تعلیم پائی ہے، وہ جاہل ہے۔ میں اچھے لباس میں رہتا ہوں، وہ پھٹے کپڑے پہنتا ہے۔ بس یہاں تک میں اس سے بہتر ہوں۔ آگے بڑھ کر اس کی حالت مجھ سے بدرجہا اچھی ہے۔ اس کی صحت پر مجھے رشک کرنا چاہیے۔ میں رات دن فکر میں گزارتا ہوں اور وہ ایسے اطمینان سے بسر کرتا ہے کہ باوجود بسورنے اور رونی صورت بنانے کے اس کے چہرے سے بشاشت نمایاں تھی۔ بڑی دیر تک میں غور کرتا رہا کہ اس کی یہ قابلِ رشک حالت کس وجہ سے ہے؟ اور آخر کار میں اس بظاہر عجیب نتیجہ پر پہنچا کہ جسے وہ مصیبت خیال کرتا ہے وہی اس کے حق میں نعمت ہے۔ وہ حسرت سے کہتا ہے کہ میرا کوئی دوست نہیں۔ میں حسرت سے کہتا ہوں۔ میرے اتنے دوست ہیں! اس کا کوئی دوست نہیں۔ اگر یہ سچ ہے تو اسے مبارکباد دینی چاہیے۔

میں اپنے دل میں یہ باتیں کرتا ہوا مکان پر آیا۔ کیسا خوش قسمت آدمی ہے! کہتا ہے۔ ''میرا کوئی دوست نہیں''۔ اے خوش نصیب شخص! یہیں تو تُو مجھ سے بڑھ گیا لیکن کیا اس کا یہ قول صحیح بھی ہے؟ یعنی کیا اصل میں اس کا کوئی دوست نہیں جو میرے دوستوں کی طرح اسے دن بھر میں پانچ منٹ کی بھی فرصت نہ دے؟ میں ایک مضمون لکھنے جا رہا ہوں مگر خبر نہیں کہ مجھے ذرا سا بھی وقت ایسا ملے گا کہ میں تخلیہ میں اپنے خیالات جمع کرسکوں اور انھیں اطمینان سے قلم بند کرسکوں یا جو اسپیچ مجھے کل دینی ہے، اسے سوچ سکوں۔ کیا یہ فقیر دن دہاڑے اپنا روپیہ لے جاسکتا ہے اور اس کا کوئی دوست راستے میں نہ ملے گا اور یہ نہ کہے گا۔ ''بھائی جان! دیکھو پرانی دوستی کا واسطہ دیتا ہوں۔ مجھے اس وقت ضرورت ہے۔ تھوڑا سا روپیہ قرض دو۔'' کیا اس کے احباب وقت بے وقت اسے دعوتوں اور جلسوں میں کھینچ کر نہیں لے جاتے؟ کیا کبھی ایسا نہیں ہوتا؟ کہ

اسے نیند کے جھونکے آرہے ہوں مگر یار دوستوں کا مجمع ہے جو قصے پر قصہ اور لطیفے پر لطیفہ کہہ رہے ہیں مگر اُٹھنے کا نام نہیں لیتے۔ کیا اسے دوستوں کے خطوں کا جواب نہیں دینا پڑتا؟ کیا اس کے پیارے دوست کی تصنیف کی ہوئی کتاب نہیں جو اسے خواہ مخواہ پڑھنی پڑے اور ریویو لکھنا پڑے؟ کیا اسے احباب کی وجہ سے شور مچانا اور ہُو حق کرنا نہیں پڑتا؟ کیا دوستوں کے ہاں ملاقات کو اسے جانا نہیں پڑتا اور اگر نہ جائے تو کوئی شکایت نہیں کرتا؟ اگر ان باتوں سے وہ آزاد ہے، تو کوئی تعجب نہیں کہ وہ ہٹّا کٹّا ہے اور میں نحیف و نزار ہوں۔ یااللہ کیا وہ اس پر بھی شکر ادا نہیں کرتا؟ خدا جانے وہ اور کون سی نعمت چاہتا ہے؟''

لوگ کہیں گے کہ اس شخص کے کیسے بیہودہ خیالات ہیں۔ بغیر دوستوں کے زندگی دوبھر ہوتی ہے اور یہ ان سے بھاگتا ہے مگر میں دوستوں کو بُرا نہیں کہتا۔ میں جانتا ہوں کہ وہ مجھے خوش کرنے کے لیے میرے پاس آتے ہیں اور میرے خیر طلب ہیں مگر عملی نتیجہ یہ ہے کہ احباب کا ارادہ ہوتا ہے مجھے فائدہ پہنچانے کا اور ہو جاتا ہے مجھے نقصان۔

چاہے مجھ پر نفرین کی جائے مگر میں یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ آج تک میرے سامنے کوئی یہ ثابت نہ کرسکا کہ احباب کا ایک جمِ غفیر رکھنے اور شناسائی کے دائرے کو وسیع کرنے سے کیا فائدہ ہے؟ میں تو یہاں تک کہتا ہوں کہ اگر دنیا میں کچھ کام کرنا ہے اور باتوں ہی میں عمر نہیں گزارنی ہے تو بعض نہایت عزیز دوستوں کو چھوڑنا پڑے گا چاہے اس سے میرے دل پر کیسا ہی صدمہ ہو۔

مثلاً میرے دوست احمد مرزا ہیں، جنھیں میں بھڑ بھڑیا دوست کہتا ہوں۔ یہ نہایت معقول آدمی ہیں اور میری ان کی دوستی نہایت پرانی اور بے تکلفی کی ہے مگر حضرت کی خصلت میں یہ داخل ہے کہ دو منٹ نچلا نہیں بیٹھا جاتا، جب آئیں گے شور مچاتے ہوئے، چیزوں کو اُلٹ پُلٹ کرتے ہوئے۔ غرض کہ ان کا آنا بھونچال کے آنے سے کم نہیں ہے۔ جب وہ آتے ہیں تو میں کہتا ہوں ''کوئی آرہا ہے، قیامت نہیں ہے''۔ ان کے آنے کی مجھے دُور سے خبر ہو جاتی ہے۔ باوجود یکہ میرے لکھنے پڑھنے کا کمرہ چھت پر ہے۔ اگر میرا نوکر کہتا ہے کہ ''میاں اس وقت کام میں بہت مشغول ہیں''۔ تو وہ فوراً چیخنا شروع کردیتے ہیں۔ کمبخت کو اپنی صحت کا

awazeinqilab.com

بھی تو کچھ خیال نہیں۔ (نوکر کی طرف مخاطب ہو کر) خیراتی کب سے کام کر رہے ہیں؟ بڑی دیر سے؟ توبہ توبہ! اچھا بس میں ایک منٹ ان کے پاس بیٹھوں گا۔ مجھے خود جانا ہے۔ چھت پر ہوں گے نا؟ میں پہلے ہی سمجھتا تھا۔

یہ کہتے ہوئے وہ اُوپر آتے ہیں اور دروازہ کو اس زور سے کھولتے ہیں کہ گویا گولہ آ کے لگا۔ آج تک انھوں نے دروزاہ کھٹکھٹایا نہیں اور آندھی کی طرح داخل ہوتے ہیں۔

'' آہاہاہا! آخر تمھیں میں نے پکڑ لیا مگر، دیکھو.........دیکھو۔ میری وجہ سے اپنا لکھنا بند مت کرو۔ میں حرج کرنے نہیں آیا۔ خدا کی پناہ! کس قدر لکھ ڈالا ہے۔ کہو طبیعت تو اچھی ہے؟ میں تو صرف یہ پوچھنے آیا تھا۔ واللہ! مجھے کس قدر خوشی ہوتی ہے کہ میرے دوستوں میں ایک شخص ایسا ہے جو مضمون نگار کے لقب سے پکارا جاسکتا ہے۔ لو! اب جاتا ہوں میں بیٹھوں گا نہیں۔ ایک منٹ نہیں ٹھہرنے کا۔ تمھاری خیریت دریافت کرنی تھی۔ خدا حافظ''۔

یہ کہہ کے وہ نہایت محبت سے مصافحہ کرتے ہیں اور اپنے جوش میں میرے ہاتھ کو اس قدر دبا دیتے ہیں کہ انگلیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور میں قلم نہیں پکڑ سکتا۔ یہ تو علیحدہ رہا، اپنے ساتھ میرے کل خیالات کو بھی لے جاتے ہیں۔ خیالات کو جمع کرنے کی کوشش کرتا ہوں مگر اب وہ کہاں؟ اور دیکھا جائے تو میرے کمرے میں ایک منٹ سے زیادہ نہیں رہے۔ تاہم وہ اگر گھنٹوں رہتے تو اس سے زیادہ نقصان نہ کرتے۔ کیا میں انھیں چھوڑ سکتا ہوں؟ میں اس سے انکار نہیں کرتا کہ میری اور ان کی دوستی بہت پرانی ہے اور وہ مجھ سے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں تاہم میں انھیں چھوڑ دوں گا۔ ہاں چھوڑ دوں گا اگرچہ کلیجہ پر پتھر رکھنا پڑے۔

اور لیجیے! دوسرے دوست محمد تحسین ہیں۔ یہ بال بچوں والے صاحب ہیں اور رات دن انھیں کی فکر میں رہتے ہیں۔ جب کبھی ملنے آتے ہیں تو تیسرے پہر کے قریب آتے ہیں۔ جب میں کام سے تو فارغ ہو چکتا ہوں لیکن اس قدر تھکا ہوا ہوتا ہوں کہ دل چاہتا ہے کہ ایک گھنٹہ آرام کرسی پر خاموش پڑا رہوں مگر

تحسین آئے ہیں اوران سے ملنا ضروری ہے۔ ان کے پاس باتیں کرنے کے لیے سوائے اپنی بیوی بچوں کی بیماری کے اور کوئی مضمون ہی نہیں۔ میں کتنی ہی کوشش کروں مگر وہ اس مضمون سے باہر نہیں نکلتے۔ اگر میں موسم کا ذکر کرتا ہوں تو وہ کہتے ہیں'' ہاں بڑا خراب موسم ہے۔ میرے چھوٹے بچے کو بخار آ گیا۔ منجھلی لڑکی کھانسی میں مبتلا ہے'' اگر لٹریچر کے متعلق گفتگو شروع کرتا ہوں، تو تحسین صاحب فوراً معذرت پیش کرتے ہیں کہ بھائی آج کل گھر بھر بیمار ہے۔ مجھے اتنی فرصت کہاں کہ اخبار پڑھوں۔ اگر کسی عام جلسہ میں آتے۔ تو اپنے لڑکوں کو ساتھ لیے ہوتے ہیں اور ہر ایک سے بار بار پوچھتے رہتے ہیں کہ طبیعت تو نہیں گھبراتی؟ پیاس تو نہیں معلوم ہوتی؟ کبھی کبھی نبض بھی دیکھ لیتے ہیں اور وہاں بھی کسی سے ملتے ہیں تو گھر کی بیماری ہی کا ذکر کرتے ہیں۔

(خیالستان)

مشق

ا۔ متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

الف۔ مصنف کی نظر چاندنی چوک میں پڑی:

(i) شخص پر (ii) دوست پر (iii) فقیر پر (iv) بچے پر

ب۔ فقیر حسرت سے کہہ رہا ہے:

(i) میرا کوئی رشتہ دار نہیں (ii) میرا کوئی اپنا نہیں
(iii) میرا کوئی بھائی نہیں (iv) میرا کوئی دوست نہیں

ج۔ مصنف کا بھڑ بھڑیا دوست ہے:

(i) احمد مرزا (ii) محمد مرزا (iii) حامد مرزا (iv) اسد مرزا

د۔ مصنف کے دوسرے دوست محمد تحسین ہمیشہ فکر میں رہتے ہیں:

(i) والدین کی (ii) بال بچوں کی (iii) نوکری کی (iv) دوستوں کی

awazeinqilab.com

۵۔ فقیر خوش قسمت آدمی ہے کیوں کہ:

(i) وہ بے گھر ہے　(ii) وہ بھوکا ہے

(iii) اُس کا کوئی دوست نہیں　(iv) وہ غریب الوطن ہے

۲۔ افسانے کے فقیر کا حلیہ بیان کریں۔

۳۔ فقیر کی صدا کا حال اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۴۔ فقیر کی صدا سن کر افسانہ نگار کے دل میں کیا خیال پیدا ہوا؟

۵۔ افسانہ نگار اپنے دوستوں سے کیوں تنگ آ گیا تھا؟

۶۔ درج ذیل الفاظ سے مذکر مؤنث بولے جانے والے الفاظ الگ کر کے لکھیں۔

صدا۔ حالت۔ قول۔ واسطہ۔ جوش۔ طبیعت۔ انکار۔ ملاقات۔ نعمت۔

۷۔ جمع لکھیں۔

غریب۔ جاہل۔ شکل۔ لفظ۔ خیال۔ لقب۔ تصنیف۔

۸۔ اِعراب لگائیں۔

نفرین۔ مجمع۔ نحیف ونزار۔ احباب۔ قیامت۔

۹۔ درج ذیل الفاظ وتراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

حالتِ زار۔ غریب الوطن۔ بشاشت۔ قابلِ رشک۔ قلم بند۔ ہم عصر۔ شناسائی۔ مصافحہ۔

۱۰۔ غلط فقرات کو درست کر کے لکھیں۔

الف۔ یہ سنگِ مرمر کا پتھر ہے۔

ب۔ ابنِ بطوطہ ایک سیاہ تھا۔

ج۔ مالی نے گلِ نرگس کا پھول توڑا۔

د۔ اکبر نے پانی پی لی ہے۔

ہ۔ ہارون میرا ہم جماعتی ہے۔

Not For Sale

۱۱۔ درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیں اور بتائیں کہ اس میں کون کون سی تشبیہات استعمال ہوئی ہیں۔ *

عبارت: ”یہ کہتے ہوئے مرزا اُوپر آتے ہیں اور دروازے کو اس زور سے کھولتے ہیں کہ گویا گولہ آ کے لگا، آج تک انھوں نے دروازہ کھٹکھٹایا نہیں، آندھی کی طرح کمرے میں داخل ہوتے ہیں۔ میری ان سے دوستی بہت پرانی ہے۔ وہ مجھ سے بھائیوں کی طرح محبت کرتے ہیں تاہم میں انھیں چھوڑ دوں گا“۔

۱۲۔ آپ درج بالا تشبیہ کی مثالوں کے علاوہ اپنی طرف سے سوچ کر تشبیہ کی پانچ مثالیں تحریر کریں۔

* تشبیہ:
کسی ایک چیز کو کسی خاص خوبی یا خامی کی وجہ سے کسی دوسری چیز کی مانند قرار دینا تشبیہ کہلاتا ہے۔ جیسے پتھر کی مانند سخت، بال کی طرح باریک، شہد جیسا میٹھا وغیرہ ۔حروفِ تشبیہ یہ ہیں: کی طرح، کی مانند، جیسا، کا سا، کی سی، مثل وغیرہ

مزاح نگاری: مزاح کے لغوی معنی ہنسی، مذاق کے ہیں۔ادبی اصطلاح میں مزاح نگاری سے مراد ایک ایسی تحریر ہے جو حقیقی مسکراہٹ یا ہنسی پیدا کرے۔مزاح کو ظرافت سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے ظرافت اور مزاح میں ایک فرق واضح ہے اور وہ یہ کہ ظرافت کا مقصد محض ہنسانا ہے اور اِس ہنسی میں اکثر اوقات عامیانہ پن بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ جب کہ مزاح نگار محض ہنسی پیدا نہیں کرتا بلکہ غور وفکر کی بھی دعوت دیتا ہے۔ بقول مشتاق احمد یوسفی

”میں اس کو مزاح تصور کرتا ہی نہیں جو غور وفکر کی دعوت نہ دے۔ مزاح وہ ہے جو تفکر پیدا کرے“۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ اپنی زندگی میں پیش آنے والا مزاح پر مبنی واقعہ کاپی میں لکھیں۔

۲۔ طلبہ اُردو کے کوئی سے پانچ مزاح نگاروں کے نام اور ان کی تصاویر لے کر اپنی کاپی میں چسپاں کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو روز مرّہ زندگی کی مختلف مثالوں سے ظرافت اور مزاح کا فرق سمجھائیں۔

۲۔ طلبہ کو دوستی کی اہمیت اور اچھے دوست کے اوصاف بتائیں۔

Not For Sale

awazeinqilab.com

ہاجرہ مسرور

ولادت: ۱۹۲۹ء / وفات: ۲۰۱۲ء

بر صغیر کی تقسیم سے پہلے اُردو افسانے کی دنیا میں دو بہنیں متعارف ہوئیں۔ خدیجہ مستور اور ہاجرہ مسرور۔ انجمن ترقی پسند مصنّفین کے جلسوں میں ان کے افسانوں نے سب کو چونکا دیا۔ ان میں ہاجرہ مسرور اردو افسانے کا ایک معتبر نام ٹھہرا۔ ہاجرہ مسرور لکھنؤ میں پیدا ہوئیں۔ کم عمری میں ہی والد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ جس کی وجہ سے پورا گھرانہ مالی مشکلات کا شکار رہا۔ قیامِ پاکستان کے بعد یہ گھرانہ پاکستان منتقل ہوکر لاہور میں رہائش پذیر ہوگیا۔ کم عمری میں انھیں جن مشکلات کا سامنا کرنا پڑا انھوں نے ہاجرہ کی ادبی صلاحیتوں کو پروان چڑھایا۔ ''اندھیرے اجالے'' اور ''امّتِ مرحوم'' ایسے شاہکار مجموعے ہیں جو اپنے موضوعات کے اعتبار سے کافی مقبول رہے ہیں۔ ہاجرہ کے افسانوں میں وہ خاموش جذبات ملتے ہیں جو مشرقی لڑکیوں کا مقدر ہیں۔ ایک عورت ہونے کے ناتے سے ہاجرہ نے ایسے جذبات کو بڑی خوبصورتی سے قلم بند کیا ہے۔

ہاجرہ مسرور ترقی پسند تحریک سے بھی متاثر تھیں۔ اس لیے ان کے افسانوں میں انسان دوستی بھی ملتی ہے اور جبر و استحصال کے خلاف بغاوت بھی۔ ہاجرہ چونکہ عام لوگوں کے مسائل سے آگاہ تھیں اور ان سے نبرد آزما بھی رہی ہیں لہٰذا ان کے افسانے عوام دوستی اور انسان دوستی کی مثال ہیں۔

تصانیف اندھیرے اُجالے، کھیل، ہائے اللہ، امّتِ مرحوم۔ چرکے، چھپے چوری، تیسری منزل، وہ لوگ، چاند کے دوسری طرف وغیرہ۔

Not For Sale

ایک کہانی بڑی پُرانی

حاصلاتِ تعلّم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ کسی بات یا پیغام کو سُن کر انہی لفظوں میں دُہرانے کے ساتھ اس کے حسن و قبح کا جائزہ بھی بیان کرسکیں۔
۲۔ ثقافت، رسوم و رواج اور سماجی و معاشی ضروریات کے حوالے سے تحریروں کا مطالعہ کرسکیں۔
۳۔ روزمرّہ زندگی کے حوالے سے مفصّل روداد تحریر کرسکیں۔
۴۔ روزمرّہ زندگی کے مختلف کرداروں کو تحریری صورت میں بیان کرسکیں۔
۵۔ کسی بھی ادبی، علمی یا صحافتی موضوع پر درست لب و لہجے اور تلفّظ کے ساتھ سات تا دس منٹ کی تقریر دیکھ کر پڑھ سکیں۔

بڈّھے نوکر نے دروازے میں سے سر نکال کر پھر کچھ کہنا چاہا۔

''افوہ! بھئی بہت سن لیں تمھاری باتیں۔ میرا دماغ نہ کھاؤ۔ میرے گھر رہنا ہے تو جیسا میں کہوں گی وہی کرنا ہوگا ورنہ..............'' دروازہ بند ہوتے دیکھ کر وہ چپ ہوگئیں۔ ان کے ہاتھ لرز رہے تھے، غصے سے یا شاید سردی سے۔ کھڑکی کے شیشوں پر سے پرانی ساڑھی سے بنا ہوا پردہ بھی ہٹا ہوا تھا۔ پھر بھی کہر کے مارے ہوئے سورج کی روشنی میں کمرا اندھیرا لگ رہا تھا۔ انھوں نے پلاسٹک کی سلائیوں پر اُون کے پھندوں کو آنکھوں کے قریب لا کر گننا شروع کر دیا۔

''بیگم صاحب''۔ بڈّھے نوکر نے کمرے کا دروازہ پھر کھولا اور اندر آ گیا۔ اب اس کے ہاتھ میں چادر میں بندھی گٹھڑی تھی۔

Not For Sale

awazeinqilab.com

"پھر جانے کی دھمکی دے رہے ہو بخشو میاں! تم سمجھتے ہو میرے ہاتھوں میں دم نہیں.......... پھر تم ہو کس کام کے؟ جیسا پکاتے ہو خوب معلوم ہے۔ میں نہ دیکھوں تو بھلا کوئی پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے۔ بازار سے سودا سلف لا دیا اور بچوں کو سکول سے لے آئے تو سمجھتے ہو گھر کے سارے کام نمٹ گئے۔ سارا دن تو میں ہی مرتی کھپتی ہوں گھر کے کاموں میں..........واہ اچھی دھمکیاں ہیں جانے کی۔"

دھپ سے گٹھڑی فرش پر پھینک کر بخشو میاں اکڑوں بیٹھ گئے اور گٹھڑی کی گرہ کھول دی۔

"لو دیکھ لو کچھ لے کر نہیں جا رہے تمھارے گھر سے۔ بعد میں نہ کہنا"۔

"بس بس دیکھ لیا.......... ہاں یہ سویٹر رکھ دو میں نے نیا بُن کر تمھیں دیا تھا۔ تمھیں ہماری پروا نہیں تو ہمیں بھی نہیں۔ اب جو یہاں کام کرے گا وہ پہنے گا اسے، ہنھ کتنا ہی خیال کرو تمھارا کوئی فائدہ نہیں۔ ناقدرے ہو"۔ وہ بے حد چڑچڑا کر بولتی گئیں لیکن جب بڈھا نوکر گٹھڑی باندھ کر سچ مچ چل پڑا تو انھیں ایک دم شدید کمزوری کا احساس ہوا اور گھبراہٹ سے کھانسی اُٹھنے لگی۔ کھانستے کھانستے ان کے دل میں نوکر کے لیے رحم کی ایک لہر سی اُٹھی۔ انھوں نے گرم لحاف ایک طرف الٹا اور سویٹر اٹھا کر دروازے کے باہر صحن میں اچھال دیا۔

"بخشو یہ لے جاؤ اپنا سویٹر۔ ایک دفعہ جو دے دیا سو دے دیا......" اور پھر وہ کھلے دروازے میں کھڑی رہ گئیں۔ بڈھے نوکر کے لیے جیسے ان کا دل پگھلنے لگا۔ جی چاہا اسے روک لیں، منا لیں۔ اب یہ اس عمر میں کہاں محنت کرے گا۔ یہ بے چارہ تو ان کی شادی سے پہلے ان کے میاں کے پاس تھا۔ تنخواہ بھی کیا لیتا بس پان سگریٹ کا خرچ، کھانا کپڑا، دوا علاج اور سر پر چھت اس کے لیے بہت۔ عجیب سادھوؤں اور تیاگیوں جیسا رویہ تھا اس کا۔ ناراض ہوتا تو کچھ دن کے لیے اپنی گٹھڑی لے کر چلا جاتا، دو چار گھروں میں رہ کر اور وہاں سے بھی روٹھ کر پھر یہیں واپس آ جاتا ہے .... بے چارہ! مگر وہ سوچتی رہیں۔ کچھ کہہ نہ سکیں۔ کھانسی ایسی منہ بھر کر آئی کہ وہ غسل خانے کی طرف دوڑیں۔ کھانس کر تھوکا تو بلغم پر خون کی سرخ دھاری چمکی.......... گھڑگھڑا کر جیسے چلتی ریل گاڑی پٹڑی پر رک گئی، کانوں میں انجن سنسانے لگا۔ انھوں نے ذہن کی کھڑکی سے جھک کر دیکھا وہی سینی ٹوریم والا سٹیشن۔

وہ گھبرا کر پلٹیں اور لحاف میں خوفزدہ بچے کی طرح چھپ کر بیٹھ گئیں اور پھر اون سلائیاں نظر آئیں تو کچھ یوں تیزی سے بننے لگیں جیسے اُون کے یہ پھندے ان کے آوارہ خیالات کو بھی جکڑ لیں گے۔ زکام ہے زکام بگڑ گیا ہے شاید۔ ایسے میں گلے سے خون آ جاتا ہے۔ مگر میں اتنی چڑچڑی کیوں ہو گئی ہوں؟ شاید بخار ہے! انھوں نے ایک خوب گہری سانس لی جو ان کے ہونٹوں اور ٹھوڑی پر لو کے جھونکے کی طرح لگی۔ اون اور سلائیاں تپائی پر ڈال کر وہ اُٹھیں اور دیواری الماری کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگیں.......... نہ جانے عورتیں اپنی چیزیں اس قدر بند کر کے کیوں رکھتی ہیں؟ تالے والی الماری اور اس کے اندر بند ڈبے.......... تالے والی چھوٹی چھوٹی صندوقچیاں، ٹافی کے خالی ڈبے، بڑے منہ کی بوتلیں۔ کسی میں جہیز کے کپڑوں سے اتارا ہوا لچکا گوٹا۔ کسی میں سلمے ستارے کی بیلیں، کسی میں شیشے کی چوڑیاں، کسی میں جھوٹے نگوں کے نقلی زیورات اور کہیں گھریلو دواؤں کی شیشیاں.......... مگر وہ یہ چیزیں تو نہیں ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر ایک بڑے سے پھولوں اور تتلیوں کی چھاپ والے ڈبے میں وہ الٹ پلٹ کرنے لگیں۔ اس میں نکاح نامہ تھا۔ میاں کے کچھ خطوط جو انھوں نے ٹریننگ کے لیے دوسرے شہر جا کر بڑی محبت سے لکھے تھے۔ دواؤں کے نسخے اور بچوں کے سکول کی سالانہ رپورٹ کے علاوہ ان کا اپنا میٹرک کا سرٹیفکیٹ بھی نظر آ گیا مگر وہ چیز نہ ملی جسے وہ اتنی بے تابی سے ڈھونڈ رہی تھیں۔ آخر الماری کے ایک کونے میں بیکار کپڑوں تلے ٹین کا وہ ڈبہ مل گیا جس میں اس کی مرحومہ ماں کی یادگار چاندی کی سرمے دانی کے ساتھ تھرمامیٹر بھی رکھا تھا۔ انھوں نے کانپتے ہاتھوں سے تھرمامیٹر نکالا اور ایک بار جھٹک کر منہ میں رکھ لیا.......... بند آنکھوں کے سامنے سے دھڑکتے ہوئے دل پر بھاری بھاری قدم رکھتے کیلیں سی چبھوتے وہ سارے دن گزرنے لگے جن میں وہ اپنے میاں اور بچوں سے دور سینی ٹوریم کے جنرل وارڈ میں پڑی تھیں، جہاں سارا وقت ان کا ذہن بچوں اور شوہر کے لیے طرح طرح کے وسوسے بنتا رہتا۔

خدا جانے اب جوتے بھی کیسے بننے لگے ہیں کہ چاپ بھی نہیں سنائی دیتی.......... وہ پشت پر آ کر کھنکھارے تو آنکھوں کے ساتھ منہ بھی کھل گیا اور تھرمامیٹر زمین پر ٹپک پڑا۔

"میں نے کہا زکام ہے دیکھوں بخار تو نہیں کم بخت ٹوٹ گیا، نیک شگون ہے"۔ وہ بے فکری دکھا رہی

ئیں۔ سوچ رہی تھیں، جب انھیں پروا ہی نہیں تو کیوں اپنا دکھڑا روؤں۔

"بخشومیاں کوپھر نکالنے کی کوشش ہے، وہ تو میں دفتر نہیں گیا تھا جو روک لیا"، انھوں نے بے تعلقی سے کھڑکی کے باہر دیکھتے ہوئے کٹیلے لہجے میں کہا۔

"میں نے تو نہیں نکالا کسی کو۔ خود گٹھڑی باندھ لائے............" وہ بھی اسی طرح بولیں جیسے کسی اور سے کہہ رہی ہوں۔ دو دن پہلے کے جھگڑے کے بعد یہی صورت حال تھی؟ اور جھگڑے تو اب بار بار ہی ہوتے۔

"شام کو کچھ لوگ آئیں گے بخشو میاں۔ بازار سے سموسے لے لینا درجن بھر، گھر میں تو کوئی ڈھنگ کی چیز بن نہیں سکتی، چائے ہی ٹھیک بنا سکو تو بنا لینا۔" انھوں نے باورچی خانے کا دروازہ کھول کر کہا اور پلٹ کر دوسرے کمرے میں جانے لگے۔

"واہ میری بھی تو کوئی عزت ہے۔ اب ان کی خوشامدیں ہوں گی تو اور میرے سر پر ناچیں گے۔ جیسے بخشومیاں ہی تو یہ گھر چلا رہے ہوں۔ اپنی جان کھپادی اور یہ صلا ملا ہے مجھے............" وہ زور زور سے بولتی میاں کے پیچھے آئیں۔ مگر وہ میز پر سے دفتر کی فائلیں اٹھا کر باہر نکل گئے۔ میاں نے باہر سکوٹر نہیں سٹارٹ کیا جیسے ان کے ذہن پر لات ماری ہو۔ ایسی لات جس سے ان کے دماغ کے سارے کل پرزے چل پڑے۔

"خدا سمجھے!" وہ کرسی پر بیٹھ کر پھسر پھسر رونے لگیں۔

"ہمیشہ وہی چاہیں گے جو میں نہ چاہوں۔ ہمیشہ مجھے ذلیل کریں گے دوسروں کے سامنے"۔ ھوں نے دوپٹے سے ناک پونچھی اور دل کھول کر رونے لگیں۔ نیم تاریک ٹھنڈے کمرے میں گرم گرم آنسوؤں سے انھیں بڑی طمانیت کا احساس ہوا۔

"یہ دیکھو! یہ جھاڑ پونچھ کی ہے بخشو نے حضور کے کمرے کی............" انھوں نے جیسے میاں مخاطب کیا اور روتی ہوئی اُٹھیں اور میز کی سطح پر جمی ہوئی گرد کی تہہ کو انگلیوں سے صاف کیا اور پھر جھنجھلا انھوں نے اپنے دوپٹے کے پلو سے ہی سارا فرنیچر پونچھ ڈالا۔

"لو ذرا دیکھو اگر میں اس وقت دھیان نہ دیتی تو یوں ہی خاک جمی رہتی۔ پھر جو آتا میری صحت کے

قصے لے بیٹھتا۔ ہمدردیاں جتاتا............" طنطنے میں انھوں نے کمرے کی صفائی کرڈالی، بانس لاکر چھت کا جالا لے ڈالا، مگر روشن دان میں لگے چڑیا کے گھونسلے سے آنکھ بچا گئیں۔ کم بخت چڑیوں نے نہ جانے کب روشن دان کی ذرا سی کھلی درز پا کر تنکے پھنسا لیے............ اور اب تو اس میں بچے چوں چوں کر رہے تھے۔ ان کے میاں نے بھی بخشو کو ہدایت کر دی تھی کہ اب گھونسلا نہ چھیڑنا ورنہ بددعا لگے گی چڑیوں کی............ گھونسلے کو نظر انداز کر کے انھوں نے پردے جھٹک جھٹک کر دھول نکالی۔ ابھی چند ہفتے پہلے ہی تو انھوں نے گھر کے خرچ میں سے پیسہ پیسہ بچا کر یہ اچھے خاصے مہنگے پردے سلوائے تھے۔ اب بچت کوئی سینکڑوں کی تو تھی نہیں۔ یہی انڈوں میں، گوشت میں، دودھ میں ڈنڈی مار لیتیں۔ ڈاکٹر نے انھیں انڈا، دودھ، مکھن روز کھانے کی ہدایت کی تھی۔ مگر وہ یہ چیزیں کھاتی رہتیں اور پردے نہ بنتے تو وہ اور بیمار نہ ہو جاتیں۔ ڈاکٹر نے یہ بھی تو کہا تھا کہ خوش رہا کرو............ گھر بنا تو خوش ہوئی۔ اب نئے گھر میں سب پرانی چیزیں تو اچھی نہیں لگتیں۔ اس لیے ایک پردے ہی کیا یہ میز یہ کرسیاں، یہ صوفہ بھی تو انھوں نے ہی خریدا تھا۔ یہ کمرا تو انھیں اتنا عزیز تھا کہ بچوں کو یہاں گھسنے نہ دیتیں مگر یہ بڑے میاں بخشو ہیں کہ انھیں چیزوں کی اہمیت اور قدر کا پتا ہی نہیں۔

بڑی دیر تک وہ کھانس کھانس کر کمرے کی صفائی کرتی رہیں۔ کرسیوں کی ترتیب بدل ڈالی، دیواروں پر لگی بچوں، میاں اور اپنی تصویریں گیلے کپڑے سے پونچھیں اور پھر تصویر کے سامنے دیر تک کھڑی رہیں۔

سب جھوٹ تھوڑا ہی کہتے ہیں کہ میں خوبصورت ہوں۔ انھوں نے مسکرا کر سوچا۔ انھیں اپنی تصویر دیر تک دیکھنے سے طمانیت اور اعتماد محسوس ہوا۔

جب وہ دوبارہ اپنے کمرے میں آئیں تو انھیں خیال آیا کہ سویٹر تو بنا ہی نہیں۔ بس اب اس کا گلا ہی تو بننا رہ گیا تھا۔ وہ دوبارہ بننے بیٹھ گئیں۔ جو آئیں گے دیکھیں گے کہ بے چارہ پپو کیسا پرانا گھسا سویٹر پہنے ہے۔ بے چارہ بچہ! کتنے دن لگ گئے تین سویٹروں میں .... وہ بنتی گئیں اور ذہن میں پھندے سے کھلتے گئے۔

"میں شاید بہت چڑچڑی ہوگئی ہوں۔ پرسوں خوامخواہ ہی تو ان کی جلی کٹی باتوں کا جواب اس طرح دینے لگی۔ پتا نہیں کیوں جب سے بیمار ہوئی ہوں سمجھتی ہوں وہ میرے نہیں رہے۔ ہر بات میں میری کاٹ

awazeinqilab.com

کرتے ہیں۔ اب آج ہی بخشومیاں کا معاملہ دیکھو میں نے کہا جاتے ہوجاؤ............ انھوں نے حکم دیا ''رکو''۔ ذرا میرا خیال نہیں آیا انھیں............'' ذلت کے خیال سے آنکھوں میں آنسو آگئے۔

''مرجاؤں گی تو چھٹی ہوجائے گی۔ پھر قدر ہوگی میری، میاں جی کو............'' ہاتھ روک کر بہتے آنسوؤں کو پلو سے پونچھنے سے پہلے سرخ سویٹر پر آنسوؤں کے چند قطرے گر گئے۔

''ہائے اللہ توبہ!'' انھوں نے سویٹر جلدی سے سینے سے لگالیا۔ ''میں مرجاؤں گی تو میرے دونوں بیٹوں کا کیا ہوگا۔ بھوکے پھریں گے تو باپ کو خبر نہ ہوگی۔ ننگے پھریں گے تو کسی کو خیال نہ آئے گا۔ وہ جو مثل ہے۔ باپ لکھیا نہیں بھلا، ماں پسنہاری بھلی......توبہ!'' بچوں کے اس انجام کے تصور سے ہی وہ کانپ اُٹھیں۔

''دونوں بچے سکول سے لانے کا وقت ہورہا ہے۔ جانے بخشو نے کچھ پکایا بھی یا نہیں۔ ارے آج تو وہ پیسے بھی دے کر نہیں گئے۔ غصے میں بھول ہی گئے حضور والا............'' وہ گھبرا کر اُٹھیں۔

ایک بار پھر الماری کھلی۔ ڈبے کھلے اور خاصی ریزگاری مل گئی۔ انھوں نے باورچی خانے میں جھانکا۔ ریزگاری بخشومیاں کو دے کر جلدی سے انڈے لانے کو کہا اور خود انڈے کا سالن بنانے کے لیے پیاز کاٹنے بیٹھ گئیں۔

سر میں دھمک سی ہورہی تھی اور کھانسی بدستور اُٹھ رہی تھی ....کھانا پک گیا۔ بچے سکول سے آگئے۔ چھوٹے پپونے کھانا کھا کر خوشی خوشی نیا سویٹر پہن لیا............ بخشومیاں بازار سے سموسے بھی لے آئے۔

جب شام کو ان کے میاں آئے تو وہ نیند میں پسینے سے نہا چکی تھیں۔ نہ جانے کب سوگئی تھیں اور اب باہر کا دروازہ کھٹکھٹایا جارہا تھا............انھوں نے اٹھنا چاہا مگر اٹھا نہیں جارہا تھا............ انھیں صحن میں میاں کے رشتے کی پھوپھی اور ان کی پولیو سے لنگڑی بیوہ بیٹی کی آوازیں سنائی دینے لگیں اور پھر پڑوسن خالہ اور ان کے شوہر کے بولنے کی جانی پہچانی آوازیں آنے لگیں............

''ہاں تو یہ ہیں ہماری قسمت کے مہمان۔ مجھے معلوم تھا جب لڑیں گے تو منصفی کے لیے انھی لوگوں کو بلائیں گے اور وہ ان کے کلرک دوست بھی تو آئیں گے ہاں میں ہاں ملانے............'' انھوں نے بہ مشکل گھسیٹ کر اپنے آپ کو اٹھایا کھانستی ہوئی غسل خانے میں گئیں، منہ ہاتھ دھویا، دوپٹہ بدلا اور بچے کی

کھانسی کا شربت گھونٹ بھر پی گئیں۔............کہ اب یوں ہی کھانستی رہی تو کھانسی کا حساب کتاب کس کس کو سمجھائیں گی............ اور پھر اندر ہی اندر کانپتی، الٹے ہوئے لحاف سے ٹک کر یوں بیٹھ گئیں جیسے کہیں کی ملکہ ہوں اور اب مہمان انھیں سلام کرنے حاضر ہوں گے۔ مگر غصے اور ہتک کے احساس سے ان کا دل یوں دھڑک رہا تھا جیسے پسلیاں توڑ کر نکل پڑے گا۔

''میں کیوں جھگڑی ان سے۔ وہ تو بس میرے سینی ٹوریم سے آنے کے بعد سے پتھر بن گئے ہیں۔ کچھ کہوں سنتے ہی نہیں۔ پھر میں سنانے کو کیوں مری جاتی ہوں۔ جانے مجھے کیا ہوگیا ہے۔ کہیں وہ ان سب کے سامنے یہ نہ کہ دیں کہ میں رات کو ان سے جھگڑ کر ان کے کمرے کے فرش پر پڑی روتی رہی تھی کہ شاید منائیں گے............ مجھے ان کے کمرے میں جانے کی کیا ضرورت تھی۔ نہیں بولتے نہیں پوچھتے، نہ سہی............اللہ نے دو بیٹے دیئے ہیں۔ یہ سلامت رہیں گے۔ بچے کیا ماں کی باتیں، حرکتیں نہیں سمجھتے؟ بڑے ہوکر خود فیصلہ کریں گے میرا ان کا۔ نہ بولیں نہ پوچھیں......''۔

دوسرے کمرے میں ان کے میاں بول رہے تھے۔

''دیکھ لیجیے! مزاج، صبح سے بتادیا تھا کہ آپ لوگ آئیں گے۔ مجھ سے ناراض تو دنیا سے ناراض......''

اپنے میاں کا فقرہ پورا ہونے سے پہلے وہ کمرے میں حاضر ہوگئیں۔ وہی چھلکتی سی نیم وا آنکھیں، بخار سے تمتمایا ہوا رنگ۔ سموسوں کی پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھی۔

''آؤ بیٹھو بیٹی۔ بخشومیاں لے آئیں گے چائے وائے......'' پھوپھی دیوان پر ایک طرف کھسک گئیں۔

''بخشو میاں؟ ارے پھوپھی شکر کیجیے وہ تو میں گھر میں موجود تھا ورنہ یہ تو اسے بھی دھکا دے چکی تھیں''۔ میاں نے بڑے جوش سے سبھوں کو اطلاع دی اور داد طلب نظروں سے دیکھنے لگے اور وہ بمشکل خود کو چیخ کر بولنے سے روک سکیں۔

''آپ کو تو معلوم ہے پھوپھی۔ بخشومیاں کی عادتیں۔ جب چاہیں رہیں جب چاہیں گٹھڑی باندھ کر نکل جائیں''۔ وہ آہستہ سے بولیں۔

''ہاں یہ بات تو ہے۔ خدالگتی کہوں گی''، ایک دفعہ تمھارے ہاں سے روٹھ کر میرے گھر بھی تو ڈیرہ ڈالا

awazeinqilab.com

تھا۔ لوہفتہ نہیں رہے کہ خود ہی روٹھ کر کہیں اور چلے گئے۔ بس بے چارے بخشو بوڑھے ہوگئے بہت۔ اور پھر بیٹا یہ نوکروں کا..............."

پھوپھی بخشومیاں کے قصے میں الجھ گئیں اِدھر خود بخشومیاں اپنے بچے کھچے دانت نکالے چائے کی کشتی اندر رکھنے آگئے۔

چائے پیالیوں میں ڈالتے ہوئے وہ سوچ رہی تھیں۔ " کتنے دن سے چائے کی ٹرالی لینے کو جی چاہتا ہے مگر ریزگاری اتنی نہیں جمع ہونے پاتی۔ دیکھو جب مہنگائی کا رونا روتے رہتے ہیں اور گھر کا روزانہ خرچ دینا بھول جاتے ہیں۔"

سب مہمان چائے پینے اور سموسے چکھنے لگے۔ کمرے میں پیالیوں اور چمچوں کی آواز چھا گئی۔ اچانک کمرے میں ایک چڑیا روشن دان کے شیشے سے ٹکرائی۔ انھوں نے آنکھ اُٹھا کر دیکھا، جالے اتارتے ہوئے روشن دان کی درز شاید بالکل بند ہوگئی تھی اور چڑیا جو اندر آگئی تھی باہر نہیں نکل پا رہی تھی۔

"پوچھیے...........آج پھر پوچھیے ان سے..........." میاں نے پھوپھی کو صحیح پٹڑی پر ڈالنے کی کوشش کی۔

"دوسروں سے پوچھواتے ہو۔ کبھی آپ نے بھی پوچھا ہوتا......" وہ نہیں بولنا چاہتی تھیں پر بول پڑیں۔

"اے لو بیٹی ہم دوسرے ہوگئے ہم تو اپنا سمجھ کر آجاتے ہیں۔" رشتے کی پھوپھی برا مان کر منہ بسورنے لگیں۔

" ارے نہیں پھوپھی میں ایسی بات نہیں کہہ رہی۔ میں تو ان سے کہہ رہی ہوں آپ کے بھتیجے سے..........."

انھوں نے کپکپا کر پرانی گرم چادر اپنے گرد زور سے لپیٹ لی جیسے چادر تلے خدا جانے کیا کیا چھپا رہی ہوں۔

"تمھیں کیا نہیں پوچھا، تمھارے پاس کیا نہیں؟ تمھیں کیا سڑک پر بٹھا رکھا ہے؟ شکر نہیں کرتیں۔ نئے مکان میں بیٹھی ہو۔ تمھیں کھانے کو نہیں ملتا؟ پہننے کو کپڑا نہیں؟ دوا علاج نہیں کرتا؟ اور کیا پوچھوں، بتانا......"

میاں کی آواز بلند ہونے لگی۔

"ہاں ہاں بیٹی جو کہنا ہے کہو..........." پڑوسن خالہ کے شوہر نے اُن سے کہا۔

"گھر کے طعنے رات دن سنتی ہوں جیسے گھر انھوں نے بنوایا ہو کھڑے ہو کر۔ ارے میں نہ ہوتی تو یہ

گھر بنتا؟ اپنا پیٹ کاٹا، اپنا جی مارا۔ پیسہ پیسہ دانتوں سے پکڑا جب یہ گھر بنا ہے۔ میں نے تو اپنے پراویڈنٹ فنڈ کا پیسہ بھی اسی میں ڈالا۔ چھے تولے سونے کا سیٹ تھا میرے جہیز کا وہ بھی بیچ کر اسی میں لگا دیا"۔ وہ بولتی چلی گئیں۔

" سن لیا آپ لوگوں نے؟ اتنی چھچھوری طبیعت ہے ان کی۔ آج کُھلیں سب کے سامنے۔ ہم نے انھیں کھلایا پہنایا، دوا علاج کے لیے رات دن کی بیمار۔ آج یہ زیور اور روپے کا طعنہ دے رہی ہیں۔ کیا میں نے تم سے روپیہ زیور مانگا تھا؟ قسم کھا بچوں کے سر کی..........." میاں آگ بگولہ ہوگئے۔

"ہر بات کا غلط مطلب نکالتے ہیں۔ میں تو کہہ رہی تھی، میں نے اس گھر کے لیے، آپ کے لیے سبھی قربان کر دیا اور آپ ہیں کہ میری ذرا پروا نہیں۔ میں نے آپ کے کہنے پر اپنی دس سال کی سکول ٹیچری بھی چھوڑی شادی کے بعد..........." وہ بھی بولتی گئیں۔

" ارے بی بی نیک بخت عورتیں اپنے گھر کے لیے ایسا ہی کرتی ہیں۔" بوڑھے کلرک نے کہنا شروع کیا "میری بیٹی نے تو................."

کلرک کی بیٹی کی قربانیوں کی فہرست لمبی تھی، جسے وہ اپنے کھولاؤ میں نہیں سن رہی تھیں۔ وہ تو کمرے میں موجود چڑیا کی طرح ہراساں تھیں اب باہر کی راہ نہ پاکر بار بار سب کے سروں پر اُڑ رہی تھی۔

" ہاں سچ تو ہے اس میں گنانے کی کیا بات ہے۔ یہ تو بیٹا ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے۔ اب تو خیر سے مرد اتنے شوقین بھی نہیں رہے۔ بہت ہوا تو سنیما دیکھ آئے، دوستوں کے ساتھ ہوٹلوں میں چائے پی لی۔ ہمارے میاں نے تو لاکھ کا گھر خاک کر دیا تھا۔ ہمارا ڈھیروں زیور گانے بجانے والیوں کو پہنا دیا۔ اس پر بھی یہی کہتے کہ اپنے باوا کے گھر سے اور لاؤ۔ اللہ جنت نصیب کرے ان میں کون سی لت نہیں تھی؟ ہاہا آ...........اور یہ تمھارا میاں بے چارہ گھر سے دفتر........... دفتر سے گھر...........ارے شکر کیا کرو۔ ایسا بھولا بھالا میاں ملا ہے۔ ایک ہماری اس بیٹی نے بھگتنا تھا..........."۔ انھوں نے اپنی پولیو زدہ بیٹی کو دیکھ کر لمبی آہ بھری۔

"گھر میں بھی آئیں گے تو جیسے دفتر میں بیٹھے ہیں۔ کبھی گھر کا حال پوچھا دو برسوں میں۔ جب سے

awazeinqilab.com

میں بیمار ہوئی تو"۔ان کی آواز بھرا گئی۔

"ہاں ہاں! اور خوب غل مچاؤ۔آنسو تو تمھاری پلکوں پر دھرے رہتے ہیں۔جب گھر میں آؤ منہ سوجا ہوا دیکھو"، وہ تڑخ کر بولے اور بولتے چلے گئے۔

"کبھی تم نے پوچھا میرا کیا حال ہے؟ میری کیا پریشانیاں ہیں۔دفتر کے کیا حالات ہیں۔مکان کا قرض سر پر چڑھا ہوا ہے۔صاحب! یہ تو چاہتی ہیں کہ گھر میں بیٹھا ان کا منہ دیکھتا رہوں۔ان کے قصیدے پڑھتا رہوں.........." وہ بولتے گئے..................تو وہ ایک دم چیخ اُٹھیں۔

"دیکھئے حد ہوتی ہے بس کیجیے۔یہ قصیدے پڑھیں گے میرے؟ انھوں نے آنسو ضبط کیے۔

"دیکھا آپ لوگوں نے؟ دیکھا۔سیدھی بات ہے یہ مجھ سے بیزار ہوگئی ہیں۔میں ٹکٹ لے آیا ہوں ریل کا۔یہ دوایک مہینے اپنی بہن کے پاس رہ آئیں۔کراچی میں سردی بھی نہیں..........بچوں کو پھوپھی آپ سنبھال لیجیے گا۔" میاں نے قصہ تمام کیا اور ایک سموسہ اُٹھا کر دانتوں سے کترنے لگے۔

"میں کیوں جاؤں کسی کے گھر اپنا گھر چھوڑ کر؟ اپنے بچے چھوڑ کر؟ اور پھر چھوٹی بہن کی سسرال میں؟ یہ بھی خوب رہی۔میرا بھائی ہوتا تو شاید جانے کا ٹھکانہ ہوتا......"۔وہ ایک دم پھپھک کر رو پڑیں۔

"اے ٹھیک تو کہہ رہی ہے یہ۔بھائی باپ کے گھر جانا تو ٹھیک ہوتا ہے مگر بہن کے سسرال میں تو......" پڑوسن خالہ بول پڑیں۔

"بہن آکر نہیں رہی تھیں ایک مہینہ۔اے اب ایسا بھی کیا؟" پھوپھی بولیں اور بولتی چلی گئیں۔"بھئی آج کل کی عورتیں بھی خوب ہیں۔اے ہم تو جب بیزار ہوتے تھے تمھارے پھوپھا سے تو بہن بھائی، خالہ، ممانی، چچی جس کے گھر جی چاہا اپنے بچے سمیٹ کر مہمان ہوجاتے۔پھر کچھ دیر بعد خود ہی منانے آتے اللہ بخشے۔ہماری اماں کہتی تھیں اس طرح بیوی کی قدر ہوجاتی ہے میاں کو........"۔

"یہ مجھ سے جان چھڑانا چاہتے ہیں۔میں نے ان کے لیے کیا نہیں کیا۔ہانڈی سے اچھی بوٹیاں ان دیں، گھی کا تار ان کے برتن میں ڈالا۔ان کے کپڑے دھوئے۔استری کیے، جوتے پالش کیے، ارے ہم نے

تو کبھی کوئی جمعدارنی بھی صفائی کے لیے نہیں رکھی۔ میں نے گھر کے خرچ میں سے پیسہ پیسہ جوڑا اور اس گھر پر خرچ کیا۔کیا کچھ نہیں کیا؟ بچے پالے کبھی بچوں کی بیماری آزاری میں نہیں کہا کہ دفتر سے چھٹی لو اور اب کہہ رہے ہیں کہ میں چاہتی ہوں یہ گھر بیٹھ کر میری صورت تکیں.......... ارے کبھی تو پوچھیں کہ مرتی ہو یا جیتی ہو؟"

"ارے بٹی اللہ نے عورت کو اتنی ہمت دی ہے کہ سب کرتی ہے۔اس کا کیا ذکر کرنا......؟ میری بیٹی نے تو.........." بوڑھے کلرک نے پھر اپنی بیٹی کا ذکر چھیڑا مگر کسی نے ادھر توجہ نہ دی۔

"تمھارا کیا حال پوچھیں' سدا کی بیمار'۔میاں منہ لٹکا کر بولے۔

"میں سدا کی بیمار تھی؟ اللہ حد ہے جھوٹ کی بھی۔ میں تو تمھارے گھر آکر بیمار ہوئی۔..........بس کیا کیا کہوں ڈاکٹر نے نہیں کہا تھا کہ ناقص غذا اور غم والم سے یہ بیمار ہوتی ہے.........." وہ تڑپ کر زور زور سے رونے لگیں۔

سب نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر نظریں جھکا لیں۔سردی کا غروب ہوتا ہوا سورج بھی ایک بادل کے ٹکڑے کے پیچھے چھپ گیا اور کمرے میں اندھیرا بڑھ گیا۔چڑیا اب کمرے میں بے تابی سے اُڑی اور پھر روشندان کے شیشے سے ٹکرا گئی۔

"تم کتنا بیمار ہوئے میں نے کبھی کسی سے نہیں کہا۔کسی سے فریاد نہیں کی۔ڈاکٹر کہتا تھا کہ تمھاری خاندانی بیماری تم میں اور بچوں میں.........." وہ بین کر رہی تھیں کہ میاں کھڑے ہوگئے۔

"خبردار جو خاندان کی بات کی۔زبان کھینچ لوں گا.........."

"دیکھ لیجیے اب خود جو چاہیں کہیں سب کے سامنے.........." وہ زور زور سے رونے لگی۔

"اے بھابی! شریف عورتوں کی آواز گھر سے باہر نہیں جانا چاہیے۔" پولیو زدہ نند نے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا مگر وہ اس وقت اپنے آپے میں نہ تھیں انھوں نے وہ ہاتھ جھٹک دیا۔

"اچھی شرافت ہے یہ ساری دنیا کو سنائیں اور میں نہ بولوں۔سن لیجیے یہ مجھے بوجھ سمجھتے ہیں۔ان کا جی

awazeinqilab.com

بھر گیا ہے مجھ سے۔ میری ہر بات انھیں بری لگتی ہے اور میں نے ان کے لیے کیا نہیں کیا............'' وہ اسی طرح روتے ہوئے بین کرتی رہیں۔

''چپ رہو............! میں کہتا ہوں چپ رہو۔ تم جاؤ اپنی بہن کے پاس۔ جاؤ سامان باندھو۔ جب تک میں نہ بلاؤں مجھے آکر صورت نہ دکھانا۔ وہ نہیں آ کر رہی تھی تمھارے پاس؟'' .... وہ شیر کی طرح دھاڑے۔

''دو دن میری بہن آ کر رہی تھی۔ بے چاری کو ساس نے مارا تھا۔ نہ آتی تو کیا کرتی............ اب یہ احسان جتا رہے ہیں۔ آخر یہ میرا گھر بھی تو ہے۔ میں نے اس میں اپنا پراویڈنٹ فنڈ ڈالا، زیور ڈالا، میں نے کوڑی کوڑی بچائی، میں نہیں جاؤں گی اپنے گھر سے۔'' وہ چیخی بالکل دیوانوں کی طرح۔

''آپ لوگ نہیں سمجھا سکتے اس عورت کو۔ یہ کسی کی سننے والی نہیں۔'' میاں نے بے بسی سے سب کو مخاطب کیا۔

''تم دوسرے کمرے میں چلی جاؤ۔............ اچھا میرے ساتھ آؤ۔ پڑوسن خالہ کا جی بھر آیا۔

''مگر خالہ میں کیوں جاؤں میرا کیا قصور ہے۔ ان کا دل کہیں اور اٹکا ہے یہ مجھے نہیں پوچھتے پھر کے پوچھتے ہیں؟ میں سب سمجھتی ہوں............'' وہ مچل مچل کر روتی اور کہتی رہی۔

''بھابی............ اب بھیا ٹکٹ لائے ہیں تو دو چار دن کو کراچی............'' پولیو زدہ نند نے سمجھانا چاہا۔

''میں نہیں جاؤں گی اپنی ہنسی اڑوانے۔ میں اپنے بچوں کو نہیں چھوڑ کر جا سکتی''۔

اس وقت گیند باہر سے آکر دروازے پر زور سے لگی۔

''ہاں توڑ دو دروازے۔ دیکھیں گے تمھارے ابا اور بنوائیں گے۔ میری آنکھوں کے سامنے یہ حال ہے گھر کا''۔ وہ جیسے ہسٹریا میں بک رہی تھی۔

''میں کہتا ہوں سامان باندھو ٹکٹ ضائع ہو جائے گا۔ جلدی............'' وہ اب دھیمی آواز میں مستحکم لہجے میں بولے۔ ''نہیں جاؤں گی، جانا ہے تو آپ بھی چلیے۔ بچے بھی چلیں۔'' وہ اسی ہسٹریائی انداز سے کہے گئی اس

کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور آنسو تھے کہ منہ دھو رہے تھے۔

اچھا............ تو پھر............'' میاں کی کیفیت بالکل آتش بازی کے انار جیسی ہوگئی جس کو دیا سلائی دکھا دی گئی ہو۔

''تو پھر............ تو پھر میں تم کو طلاق دیتا ہوں............ طلاق............''

اور جیسے اس انار کے سارے جلتے پھول ان پر برس گئے۔ پھر بھی نہ جانے کیسے ان کا کانپتا ہوا ہاتھ بے اختیار آگے بڑھا۔ درمیانی گول میز جیسے انھیں نظر نہیں آ رہی تھی۔ یہ میز پر اوندھ گئیں اور جانے کیسے انھوں نے میاں کی پتلون کا پائنچا مضبوطی سے مٹھی میں جکڑ لیا اور کہنے کی کوشش میں ہانپنے لگیں............ آنکھوں اور ناک سے بہتا پانی کھلے ہونٹ اور اجڑے بالوں میں چمکتے سفید بال وہ اس عالم میں کیسی بدصورت لگ رہی تھیں۔ سب نے نظریں جھکا لیں۔ میاں منہ پھیر کر کھڑے ہوگئے۔

پڑوسن خالہ نے اپنے آنسو خشک کیے بغیر، بڑا زور لگا کر انھیں میز پر سے اُٹھایا اور تِلّے کے کام والی بوسیدہ گرم چادر ان کے سر پر ڈال دی۔

''جو ہونا تھا وہ ہوگیا............ اب ان سے تمھارا پردہ واجب ہے............'' پڑوسن خالہ کے شوہر نے بمشکل کھنکھار کر بھاری آواز میں کہا اور سر جھکایا تو ان کی گہری سانس سے اللہ نکلا............

انھیں رشتے کی پھوپھی نے بٹھا دیا کہ گر نہ پڑیں............ مگر وہ اپنی کلائی میں پڑی سونے کی تار جیسی دو چوڑیاں کھسوٹ کر اتارنے لگیں۔

''کیا یہ چوڑیاں آپ کے گھر کی ہیں جو اتار رہی ہیں''۔ بوڑھے کلرک نے میاں سے سوال کیا۔

''جی! مگر جو دے دیا سو دے دیا۔ ان سے کہیے چوڑیاں پہنے رہیں''۔ میاں نے مدھم آواز میں کہا۔

لیکن وہ تو جیسے کچھ سن ہی نہیں رہی تھیں۔ چوڑیاں اتار کر میز پر ڈال دیں اور پھر کانپتے ہاتھوں سے کانوں میں پڑی چھوٹی چھوٹی بالیاں بھی اتار کر چوڑیوں کے بیچ میں رکھ دیں۔ مگر یہ بالیاں ان کے جہیز کی

awazeinqilab.com

تھیں۔ پھر وہ کانپتی ہوئی کھڑی ہوئیں اور سر پر سے تلے کے کام والی چادر بھی اتار کر میز پر ڈال دی............ اور خاموشی سے دروازہ کھول کر دوسرے کمرے میں چلی گئیں۔

''ہے ہے بے چاری کا لڑکوں پر بھلا کیا حق............ ارے کوئی بیٹی ہی پیدا ہوئی ہوتی تو یوں اکیلی نہ نکلتی گھر سے۔ ہا آ............'' پڑوسن خالہ نے سوچا اور اپنی آنکھیں اور ناک پونچھتی دوسرے کمرے میں ان کے پاس چلی گئیں۔

اب کمرے میں خاموشی اور سردیوں کی شام کا اندھیرا اتر رہا تھا............ میاں نے ہاتھ بڑھا کر بجلی کا بلب روشن کیا تو چڑیا پھر ہر طرف اُڑنے اور روشندان کے شیشے سے ٹکرانے لگی............ میاں نے چڑیا کو دیکھا اور پھر باہر کھلنے والا دروازہ کھول دیا کہ چڑیاں گھونسلے تک پہنچنے کا راستہ خود تلاش کر لیتی ہیں۔

(چاند کے دوسری طرف)

مشق

۱۔ اس افسانے کا مرکزی خیال بیان کیجیے۔

۲۔ خاتونِ خانہ کے کردار کے بارے میں اظہارِ خیال کیجیے۔

۳۔ اس افسانے سے آپ کیا سبق اخذ کرتے ہیں؟

۴۔ آپ کے خیال میں ایسی ناپسندیدہ صورت حال سے بچنے کے لیے دونوں کرداروں کو کیا کرنا چاہیے تھا؟

۵۔ افسانہ نگار نے اس افسانے میں انسانی فطرت کی عکاسی کس طرح کی ہے؟

۶۔ درست جواب کے اُوپر (✓) کا نشان لگائیں۔

ا۔ نثر میں 'ایک کہانی بڑی پرانی' کون سی صنف ہے؟ (کہانی۔ڈرامہ۔افسانہ)

ب۔ آپ کی کتاب میں شامل 'ایک کہانی بڑی پرانی' کا خالق کون ہے؟

(احمد ندیم قاسمی۔ہاجرہ مسرور۔اشفاق احمد)

ج۔ اس افسانہ میں نوکر کا کیا نام ہے؟ (بخشومیاں۔اچھومیاں۔کلومیاں)

د۔ اس افسانہ میں زنانہ کردار 'بیوی' پیشے کے لحاظ سے کیا ہے۔ (نرس۔استانی۔ٹائپسٹ)

۷۔ ا۔ پھر بھی کہر کی مارے ہوئے سورج کے روشنی میں کمرہ اندھیرا الگ رہا تھا۔ اس جملے میں درست حرف اضافت لکھ کر صحیح جملہ دوبارہ لکھیں۔

ب۔ کردار 'بیوی' اپنے نوکر کو کیوں نکالنا چاہتی ہے؟ ایک ہی سطر میں جواب دیجیے۔

ج۔ ''مرجاؤں گی تو چھٹی ہوجائے گی۔ پھر قدر ہوگی میری''۔ گھر میں اپنی ناقدری کی شکایت کرنے میں بیوی کس حد تک حق بجانب ہے؟ چند سطروں میں جواب تحریر کیجیے۔

د۔ وہی چھلکتی سی نیم وا آنکھیں، بخار سے تمتمایا ہوا رنگ، سموسوں کی پلیٹ ان کے ہاتھ میں تھی یہ جملہ کس سے متعلق ہے؟

۸۔ ا۔ کیا آپ کے خیال میں ایک دوسرے سے چھوٹی موٹی شکایتیں اور گلے شکوے محلے والوں اور رشتہ داروں کے سامنے بیان کرنا اخلاقی اور معاشرتی نقطہ نظر سے درست اور جائز کام ہے؟ مختصر جواب دیجیے۔

ب۔ باپ لکھیا نہیں بھلا، ماں پسنہاری بھلی۔ ضرب المثل کا مفہوم واضح کریں۔

۹۔ خالی جگہ پُر کریں۔

ا۔ ''پھر جانے کی دھمکی دے رہے ہو بخشومیاں۔ تم سمجھتے ہو میرے ہاتھوں میں.....نہیں''۔

ب۔ بس بس دیکھ لیا______ ہاں یہ سویٹر رکھ دو میں نے نیا______ کر تمھیں دیا تھا۔

ج۔ میں نے تو نہیں نکالا کسی کو۔ خود گھڑی ______ لائے۔

د۔ ایسی لات جس سے ان کے دماغ کے سارے کل______ چل پڑے۔

ہ۔ ہمیشہ وہی چاہیں گے جو میں نہ چاہوں۔ ہمیشہ مجھے______ کریں گے دوسروں کے سامنے۔''

و۔ بخشومیاں بازار سے______ بھی لے آئے۔

awazeinqilab.com

ز۔ اچانک کمرے میں ایک ______ روشن دان کے شیشے سے ٹکرائی۔

ح۔ رشتے کی پھوپھی برامان کر منہ ______ لگیں۔

ط۔ آنسو تو تمھاری ______ پر دھرے رہتے ہیں۔ جب گھر میں آؤ منہ ______ ہوا دیکھو۔"

ی۔ تمھارا کیا حال پوچھیں ______ کی بیمار"۔ میاں منہ ______ کر بولے۔

۱۰۔ درج ذیل اقتباسات کا مفہوم اس طرح بیان کیجیے کہ مشکل الفاظ و محاورات کی وضاحت ہو جائے۔

ا۔ "پھر جانے کی دھمکی.......................واہ اچھی دھمکیاں ہیں جانے کی۔"

ب۔ واہ میری بھی تو کوئی عزت.......................سارے کل پرزے چل پڑے۔

ج۔ یہ دیکھو! یہ جھاڑ پونچھ.......................سارا فرنیچر پونچھ ڈالا۔

د۔ لو ذرا دیکھو اگر میں.......................بددعا لگے گی چڑیوں کی۔

ہ۔ پوچھیے.........آج پھر.......................منہ بسورنے لگیں۔

و۔ سن لیا آپ لوگوں نے.......................میاں آگ بگولہ ہو گئے۔

ز۔ "یہ مجھ سے جان چھڑانا.......................کہ مرتی ہو یا جیتی ہو؟

ح۔ اچھی شرافت ہے یہ.......................وہ شیر کی طرح دھاڑے۔

ط۔ اور جیسے اس انار کے.......................میاں منہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔

ی۔ "ہے ہے بے چاری کا.......................راستہ خود تلاش کر لیتی ہیں۔"

۱۱۔ **حقیقی تذکیر و تانیث:**

اُردو میں بالعموم وہ الفاظ (حقیقی یا جاندار اشیا کے نام) مذکر بولے جاتے ہیں جن کے آخر میں "ا" ہو اور اگر ہائے ہوز، (ہ) ہو تو مؤنث۔ بعض حقیقی تذکیر و تانیث کو بدلنے کے لیے مذکر کے آخر سے 'الف' ہٹا کر یائے معروف لگا دیتے ہیں یا بعض کے آخری حرف کو حذف کر کے یا بلا حذف، الف، 'نی' یا 'انی' کے اضافے سے مؤنث بنائے جاتے ہیں جیسے: تایا سے تائی، یا دیور سے دیورانی۔

۱۲۔ درج ذیل مذکر کے مؤنث لکھیں۔

پھوپھا۔ چچا۔ ماما۔ دادا۔ نانا۔ بیٹا۔ لڑکا۔ بھٹیارہ۔ ہندو۔ ہاتھی۔ شیخ۔ سید۔ اونٹ۔ فقیر۔ مور۔ مہتر۔ ملاّ۔ مغل۔ استاد۔ بھوت۔ شیر۔ مور۔ پنڈت۔ جاٹ۔ نٹ۔ راجا۔ بوڑھا۔ بھانجا۔ پوتا۔ جولاہا۔ کنوارہ۔ پٹھان۔ مہاراجا۔ شہزادہ۔ نواسہ۔ گدھا۔ چیونٹا۔ مرغا۔ لنگڑا۔ بندہ۔

۱۳۔ **ضرب المثل:** ایسا جملہ یا فقرہ جو مثال کے طور پر مشہور ہو جائے، ضرب المثل کہلاتا ہے۔ ضرب المثل کے حقیقی یا لفظی معنی جو بھی ہوں اس کو کسی موزوں اور مناسب موقع پر جوں کا توں بولا جاتا ہے۔ اس کو "کہاوت" بھی کہا جاتا ہے۔ کہاوت یا ضرب المثل انسان کے صدیوں کے تجربات اور مشاہدات کا نچوڑ ہوتی ہے۔ یہ دنیا کی ہر زبان میں ہوتی ہیں۔ ضرب المثل کے الفاظ مناسب حالات و مواقع پر انتہائی برجستہ ہوتے ہیں اور بات کو پُر لطف اور وزنی بنا دیتے ہیں جیسے: "ایک انار سو بیمار" یہ ضرب المثل ایسے موقع پر بولی جاتی ہے جب تھوڑی سی چیز کے بہت لوگ خواہش مند ہوں۔ اسی طرح "دُور کے ڈھول سہانے" یعنی دُور کی چیز بھلی معلوم ہوتی ہے۔

ان ضرب الامثال کا مطلب واضح کریں۔

ا۔ ابھی دلّی دور ہے۔

ب۔ گھر کا بھیدی لنکا ڈھائے۔

ج۔ رام رام جپنا، پرایا مال اپنا۔

د۔ زبانِ خلق کو نقارۂ خدا سمجھو۔

۱۴۔ درج ذیل عبارت کو غور سے پڑھیں۔ اس میں سے استعارے کی مثالیں چُنیے اور بتائیے کہ ان سے مراد کیا ہے؟ *

عبارت: "خدا ہمارے شیروں کو سلامت رکھے۔ یہ ہماری سرحدوں کے محافظ ہیں۔ ہم نے لاکھوں شہیدوں کی قربانی دے کر اس جنت کو حاصل کیا۔ ماؤں نے اپنے لعل اور بہنوں نے اپنے چاند اس کی آزادی پر قربان کر دیے تھے۔ تب پیارا پاکستان وجود میں آیا تھا۔"

awazeinqilab.com

* استعارہ: استعارہ کے لغوی معنی ہیں ''اُدھار لینا'' علم بیان کی اصطلاح میں جب کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس کے حقیقی اور مجازی معنوں میں تشبیہ کا تعلق پایا جائے۔ تو اسے استعارہ کہتے ہیں۔ مثلاً اس سبق کی عبارت پر غور کریں۔ ''انسان نے مادر فطرت کے بوڑھے بدن سے ایک ایک زیور کھسوٹ لینے کی کوشش کی۔ کمبخت ندیدوں کی طرح جو سامنے دیکھا اپنی جیب میں ڈال دیا''۔

یہاں نام تو زیور کا لیا لیکن اس سے مراد وہ چیزیں ہیں جو فطرت کا حسن بڑھاتی ہیں۔ اس طرح نام تو جیب کا لیا لیکن مراد یہ ہے کہ انسان نے فطرت کی تمام چیزوں پر قبضہ کرلیا۔ اس عبارت میں ''زیور'' اور ''جیب'' کے الفاظ بطور استعارہ استعمال ہوئے ہیں۔

اسی طرح کسی عالم فاضل شخص کی موت پر جب یہ کہا جاتا ہے کہ ''ایک چراغ اور بجھ گیا''۔ عالم فاضل شخص چراغ تو نہیں ہوتا لیکن چراغ کی طرح علم کی روشنی پھیلاتا ہے۔

افسانہ: افسانہ سے مراد وہ مختصر تحریر، قصہ، کہانی یا واقعہ ہے، جس کے تمام افراد یا کردار خیالی ہوتے ہیں۔ افسانے کو انگریزی میں (Fiction) کہتے ہیں۔ اس میں ادیب زندگی کے کسی ایک گوشے پر روشنی ڈالتا ہے۔ افسانہ اپنے اختصار کی بنا پر ایک ہی نشست میں پڑھا جا سکتا ہے۔ یہ اُردو میں مغربی ادب کے زیرِ اثر آیا ہے۔ اُردو میں افسانے کا باقاعدہ آغاز بیسوی صدی کے اوائل میں ہوا اور سجاد حیدر یلدرم اُردو کے پہلے افسانہ نگار مانے جاتے ہیں۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ کسی اخلاقی موضوع پر مبنی مختصر کہانی اپنی کاپی میں تحریر کریں۔

۲۔ طلبہ مختلف ذرائع مثلاً اساتذہ، بزرگ، ٹی وی، انٹرنیٹ اور رسائل و جرائد سے چند ضرب الامثال اکٹھی کر کے اپنی کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ اُردو کے کئی شعرا کے اشعار ضرب المثل بن چکے ہیں جیسے کہ بہادر شاہ ظفرؔ کا شعر ہے۔

عمرِ دراز مانگ کے لائے تھے چار دن
دو آرزو میں کٹ گئے دو انتظار میں

طلبہ کو چند ضرب المثل اشعار لکھوائیں۔

۲۔ طلبہ کے مابین سکول کی سطح پر ''حقوقِ نسواں'' کے موضوع پر تقریری مقابلہ کرائیں۔

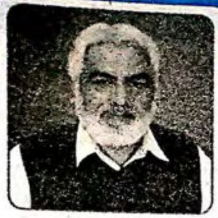

اجمل نذیر (مُترجم)

ولادت: ۸ فروری ۱۹۷۲ء

اجمل نذیر نواں شہر ایبٹ آباد کے ایک مذہبی گھرانے کے چشم و چراغ ہیں۔ انھوں نے معاشیات میں ایم اے کیا۔ سی ٹی اور ایم ایڈ کے علاوہ ڈی آئی ٹی کی پیشہ وارانہ تعلیم بھی رکھتے ہیں۔ ان کا تعلق شعبۂ تدریس سے ہے۔ ایک اچھے معلّم کے ساتھ ساتھ شاعر و نقّاد کی حیثیت سے بھی نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کی ہندکو کہانیاں ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور شائع کر چکا ہے اور ادبی مقالات کئی ادبی کتب کی زینت ہیں۔ سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں انداز میں شاعری بھی کرتے ہیں اور نثر بھی لکھتے ہیں۔

اجمل نذیر تحقیقی حوالے سے بھی کافی کام کر چکے ہیں۔ بشیر احمد سوز کی تالیفات ''ہزارہ میں اُردو ادب کی تاریخ'' اور ''ہزارہ میں ہندکو ادب کی تاریخ'' جیسی لازوال کتب میں بھی آپ نے گراں قدر حصہ ڈالا

قاضی ناصر بختیار خان کی کتاب ''ہندکو لوک کہاڑیاں'' جو کہ ہزارہ یونیورسٹی نے شائع کی، اس کتاب میں نہ صرف اجمل نذیر کا ادبی مقالہ شامل ہے بلکہ ان خوبصورت کہانیوں کا اُردو ترجمہ بھی انھوں نے کیا تا کہ ان کہانیوں کی خوبصورتی اور افادیت کو مزید اُجاگر کیا جا سکے۔ کتاب میں شامل لوک کہانی ''ماں کی نصیحت'' بھی قاضی ناصر بختیار خان کی اِسی ترجمہ ہونے والی کتاب ''ہندکو لوک کہانیاں'' میں شامل ہے۔ اجمل نذیر کی تحریروں میں روانی، سلاست، شگفتگی اور جدّت پائی جاتی ہے۔ آپ تراجم میں بھی یدِ طولیٰ رکھتے ہیں۔

تصانیف: میں آنکھیں بیچنا چاہوں، چٹی دُودھ مٹھی کھنڈ۔

مترجم: اجمل نذیر

ماں کی نصیحت

حاصلاتِ تعلم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ کسی فن پارے کے مرکزی خیال کو بیان کر سکیں۔
۲۔ جملہ معترضہ کے حوالے سے غلط فقرات کی درستی کر سکیں۔
۳۔ عبارت میں تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مرسل کو پہچان سکیں۔
۴۔ علمی ادبی مطالعے کو عملی زندگی کا حصہ بنا سکیں یعنی انتخابِ کتب میں شامل ہو سکیں۔
۵۔ کسی نثر پارے کا علمِ بیان کی اصطلاحات کی روشنی میں جائزہ لے کر اس کا خلاصہ بیان کر سکیں۔
۶۔ مختلف رسائل میں کہانیاں اور مضامین پڑھ کر اس سے کوئی نتیجہ اخذ کر سکے اور خود بھی عمومی موضوعات پر لکھ سکیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ کسی جنگل ایک شیرنی رہا کرتی تھی اس کا ایک ہی بچہ تھا جو کافی حد تک جوان ہو چکا تھا۔ وہ شیرنی سے ہر روز خود شکار کرنے کی فرمائش کرتا لیکن شیرنی اسے یہ کہہ کر منع کر دیتی کہ ابھی تُو اتنا بڑا نہیں ہوا کہ خود سے شکار کر کے کھا سکے کیونکہ شکار کرنے کے لیے صرف طاقت ہی نہیں بلکہ ہوشیاری اور شکار کے طریقے کا بھی علم ہونا ضروری ہے۔ شیرنی کا بچہ ماں کی یہ باتیں سن سن کر سخت نالاں رہنے لگا اور خود شکار کرنے کو اس نے اپنی ضد بنا لیا۔ ایک دن شیرنی نے تنگ آ کر اس کی ضد کے آگے گھنٹے ٹیک دیے اور نہ چاہتے ہوئے بھی بچے کو شکار کی اجازت دے دی۔ شیرنی کے بچے کی خوشی دیدنی تھی لیکن شیرنی نے بچے سے وعدہ لیا کہ وہ ہر چیز پر حملہ کرے لیکن انسان سے بچ کر رہے کیونکہ انسان انتہائی چالاک اور زیرک ہوتا ہے۔ بچے نے چار و ناچار ماں سے وعدہ تو کر لیا لیکن اس کو یہ تشویش لاحق ہو گئی کہ ماں نے انسان سے لڑنے اور انسان کا شکار کرنے سے منع کیوں کیا؟

Not For Sale

شیرنی کا بچہ ماں سے رخصت ہوا تو خوشی سے سرشار تھا۔ وہ اپنی جوانی پہ نازاں اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ وہ بہت طاقتور، پُھرتیلا اور پُر جوش ہے۔ کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اس کا سامنا کرے اور اسے زیر کر لے۔ وہ اسی غرور میں ماں کی نصیحت اور اپنے کیے گئے وعدے کو بھول گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سب سے پہلے انسان کا شکار کر کے اپنی طاقت کو منوائے گا۔ لہٰذا وہ ہر بات سے پہلو تہی کرتے ہوئے انسان کے شکار کو چل پڑا۔ راستے میں اسے کئی چھوٹے بڑے جانور دکھائی دیے لیکن وہ ان کی شکلیں پہچانتا تھا اور اس قدر جانتا تھا کہ یہ انسان نہیں ہیں۔

چلتے چلتے راستے میں اسے ایک اُونٹ دکھائی دیا۔ وہ اس سے قبل اُونٹ جیسے جانور سے نا آشنا تھا۔ وہ سمجھا کہ شاید یہی انسان ہے کیونکہ یہ دیکھنے میں طاقتور بھی ہے اور قد آور بھی۔ شیرنی کے بچے نے اُونٹ کو للکارا اور کہا: ''او بدمعاش! تیار ہو جا، میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

اُونٹ نے شیرنی کے بچے کی للکار سن کر پوچھا کہ تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو؟

شیرنی کا بچہ بولا: ''کیونکہ تم انسان ہو اور میں سب سے پہلے انسان کا شکار کرنا چاہتا ہوں''۔

اُونٹ پھر گویا ہوا اور پوچھا: ''تم انسان کا شکار کیوں کرنا چاہتے ہو''؟

شیرنی کا بچہ بولا: ''انسان طاقتور ہے اس لیے میں سب سے پہلے اس سے پنجہ آزمائی کر کے اس کو ہلاک کرنا چاہتا ہوں''۔

اُونٹ بولا: ''تم غلطی پر ہو، میں انسان نہیں ہوں، انسان تو بہت طاقتور ہوتا ہے، وہ مجھے اپنا غلام بنا کر رکھتا ہے، مجھ پر بوجھ لادتا ہے، میرا دودھ دوہتا ہے اور میری قربانی کر کے گوشت کھاتا ہے''۔

شیرنی کا بچہ دنگ رہ گیا کیونکہ وہ اُونٹ کی جسامت اور قد کاٹھ سے کافی مرعوب تھا اور اس خاطر اُونٹ کو انسان سمجھنے کی غلطی کر رہا تھا۔ اس نے اُونٹ سے پوچھا: ''مجھے انسان کہاں ملے گا؟ میں سب سے پہلے اس کا شکار کرنا چاہتا ہوں''۔

اُونٹ بولا: ''آگے چلتے جاؤ جنگل میں کہیں نہ کہیں انسان کو پا لو گے''۔

شیرنی کا بچہ آگے بڑھا اور انسان کی تلاش شروع کر دی۔ کافی دور جا کر اُسے ایک ہاتھی دکھائی دیا۔ وہ ہاتھی کی

Not For Sale

جسامت دیکھ کر سہم گیا اور سمجھا کہ شاید یہی انسان ہے کیونکہ یہ اُونٹ سے بھی زیادہ طاقتور دکھائی دے رہا تھا۔

شیرنی کے بچے نے ہاتھی کو للکارا اور کہا: ''او بدمعاش! میرے ساتھ مقابلہ کرنے کو تیار ہو جا۔ آج میں تمہیں زندہ نہیں چھوڑوں گا''۔

ہاتھی شیرنی کے بچے کی بات پر حیران ہوا اور پوچھا: ''تم مجھے کیوں مارنا چاہتے ہو، مجھ سے کون سی ایسی خطا سرزد ہوئی جو تم اس قدر طیش میں آ گئے''۔

شیرنی کا بچہ بولا: ''تم بہت طاقتور ہو اور آج میں تمہیں زیر کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ میں انسان سے زیادہ طاقتور ہوں اور میں سب سے پہلا شکار انسان کا کرنا چاہتا ہوں''۔

ہاتھی نے کہا: ''تم غلط سمجھ رہے ہو، میں تو ہاتھی ہوں، انسان تو مجھ سے بھی زیادہ طاقتور ہوتا ہے، وہ میرے اوپر سُواری کرتا ہے، مجھ پر وزن لادتا ہے اور میرے دانتوں سے منقش چیزیں بنا کر اپنے گھر کو سجاتا ہے''۔

شیرنی کا بچہ حیران رہ گیا، کیونکہ وہ ہاتھی کو طاقت اور جسامت کے لحاظ سے انسان سمجھ بیٹھا تھا۔ اُس نے ہاتھی سے پوچھا کہ انسان کیسا ہوتا ہے اور مجھے کہاں ملے گا؟

ہاتھی نے غور کیا اور ایک درخت پر بیٹھے ہوئے بندر کی طرف اشارہ کر کے بتایا کہ انسان اس جیسا ہوتا ہے لیکن اُس کی دُم نہیں ہوتی، وہ کافی لمبا اور طاقتور ہوتا ہے۔ اتنے میں ہاتھی کو درخت کاٹنے کی آواز آئی۔ اس نے شیرنی کے بچے سے کہا کہ اس آواز کی طرف بڑھو، یہ درخت کاٹنے کی آواز ہے اور درخت صرف انسان ہی کاٹتا ہے۔

شیرنی کا بچہ آواز کا پیچھا کرتے ہوئے آگے چل پڑا۔ درخت کے قریب اسے انسان ہی ملا جس کی دُم نہیں تھی اور قد بھی بڑا تھا۔ شیرنی کے بچے کو انسان اُونٹ یا ہاتھی سے زیادہ طاقتور دکھائی نہ دیا، لیکن جس درخت کو وہ کاٹ رہا تھا وہ آسمان سے باتیں کرتا تھا اور اس کا گھیرا بھی انسان کے جسامت سے کہیں زیادہ موٹا تھا۔ شیرنی کا بچہ اسے اتنا بڑا اور موٹا درخت کاٹتے ہوئے دیکھ کر دل ہی دل میں خوفزدہ ہوا لیکن اپنے ارادے سے پیچھے ہٹنے کو تیار نہ ہوا۔ اس نے انسان کو للکارا: ''او انسان! میرے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہو جا۔ آج میں تم کو مار کر ہی دم لوں گا''۔

انسان شیرنی کے بچے سے گھبرایا اور پوچھا کہ اُسے کیوں مارنا چاہتا ہے؟

شیرنی کا بچہ بولا، ''مجھ کو میری ماں نے منع کیا تھا کہ انسان سے بچنا، انسان بڑا چالاک اور خطرناک ہوتا ہے، لیکن میں نے خود سے عہد کر رکھا ہے کہ پہلا شکار انسان کا ہی کروں گا، لہٰذا تم میرے ساتھ مقابلے کے لیے تیار ہو جاؤ''۔

انسان گھبرایا لیکن اس نے سوچا کہ یہ جذباتی ہے، اس کو کسی ترکیب سے ہی زیر کرنا پڑے گا۔ اس نے کہا: ''تم اپنی ماں سے شکار کا پوچھ کر آئے ہو لیکن میں نے اپنی ماں سے شکار کی اجازت نہیں لی، اگر تم مجھے موقع دو تو میں بھی اپنی ماں سے اجازت لے آؤں''۔

شیرنی کا بچہ اس کی باتوں میں آ گیا اور بولا: ''ٹھیک ہے، جاؤ اور اجازت لے کر جلدی واپس آؤ تاکہ تمہارا مقابلہ کروں''۔

انسان نے سوچا کہ یہ بے وقوفی پر اُتر آیا ہے، کیوں نہ اس کی بے وقوفی سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس نے کہا: ''دیکھو کل بھی ایک شیر میرا مقابلہ کرنا چاہتا تھا، لیکن جب میں اپنی ماں سے اجازت لے کر آیا تو وہ بھاگ چکا تھا، کہیں تم بھی مجھ سے ڈر کر بھاگ نہ جاؤ''۔

شیرنی کا بچہ بولا: ''میں تم سے نہیں ڈرتا، جاؤ اور جلدی اجازت لے کر واپس آؤ''۔

انسان نے کہا: ''دیکھو پرسوں بھی ایک شیر یہی کہہ رہا تھا، لیکن جب میں واپس آیا تو وہ ڈر کے مارے بھاگ چکا تھا۔ اگر تم پسند کرو تو میں تمہیں رسی کی مدد سے درخت کے ساتھ باندھ دوں تاکہ تم بھاگ نہ سکو اور پھر میں واپس آ کر تمہیں کھول دوں گا اور دونوں مقابلہ کریں گے''۔

شیرنی کا بچہ انسان کی باتوں میں آ گیا اور کہا: ''ٹھیک ہے اگر تمہیں اس سے تسلی ہوتی ہے تو مجھے باندھ لو''۔

انسان نے اسے مضبوطی کے ساتھ رسی کی مدد سے درخت کے ساتھ باندھا اور کلہاڑی ہاتھ میں اٹھا کر اس کا کام تمام کرنے لگا۔ شیرنی کا بچہ چلایا اور کہا: ''یہ کیا کر رہے ہو، تم مجھے ماں سے اجازت لیے بغیر کیسے مار سکتے ہو اور وہ بھی رسیوں سے باندھ کر''۔

انسان بولا: ''تمہیں ماں نے نصیحت کی تھی کہ انسان طاقتور اور چالاک ہے، لیکن تم ماں کی نصیحت کو بھول کر میرے ساتھ لڑنے کے لیے آ گئے۔ جو لوگ ماں کا کہا نہیں مانتے وہ اس طرح نقصان اٹھاتے ہیں۔ ماں کی نصیحت میں

awazeinqilab.com

اس نے شیرنی کے بچے پر کلہاڑے سے زوردار وار کیا اور اُسے ہلاک کر دیا۔

ہی اولاد کی بھلائی ہے، جو لوگ ماں کی نصیحت پر عمل نہیں کرتے ان کا انجام یہی ہوتا ہے''۔

(ہندکو لوک کہانیاں)

مشق

۱۔ متن کے مطابق درست الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

ا۔ شیرنی کا بچہ ماں کی یہ باتیں سن سن کر سخت ________ رہنے لگا۔

ب۔ انسان انتہائی چالاک اور ________ ہوتا ہے۔

ج۔ وہ ہاتھی کی جسامت دیکھ کر ________ گیا اور سمجھا کہ شاید یہی انسان ہے۔

د۔ مجھ سے کون سی ایسی خطا سرزد ہوئی جو تم اس قدر ________ میں آ گئے۔

ہ۔ یہ جذباتی ہے، اس کو کسی ترکیب سے ہی ________ کرنا پڑے گا۔

۲۔ درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیں۔

ا۔ شیرنی کا بچہ ماں سے کس بات کی ضد کرتا تھا؟

ب۔ شیرنی کے بچے نے اپنی ماں سے کیا وعدہ کیا اور کیوں؟

ج۔ اونٹ کو دیکھ کر شیرنی کے بچے نے کیا کہا؟

د۔ ہاتھی نے انسان کے بارے میں کیا رائے دی؟

ہ۔ انسان نے شیرنی کے بچے کو مارنے سے پہلے کیا یاد دلایا؟ وضاحت کریں۔

۳۔ درج ذیل کو جملوں میں استعمال کریں۔

زیرک، سہم، تشویش، نالاں، پنجہ آزمائی، للکار، گھٹنے ٹیکنا

۴۔ درج ذیل عبارت کی تشریح سیاق و سباق کے حوالے سے کریں۔

شیرنی کا بچہ ماں سے رخصت ہوا تو خوشی سے سرشار تھا۔ وہ اپنی جوانی پہ نازاں اسی سوچ میں غلطاں تھا کہ وہ بہت طاقتور، پُھرتیلا اور پُرجوش ہے۔ کسی میں یہ جرأت نہیں کہ اس کا سامنا کرے اور اسے زیر کرے۔ وہ اسی غرور میں ماں کی نصیحت اور اپنے کیے گئے وعدے کو بھول گیا۔ اس نے فیصلہ کیا کہ وہ سب سے پہلے انسان کا شکار کر کے اپنی طاقت کو منوائے گا۔ لہٰذا وہ ہر بات سے پہلو تہی کرتے ہوئے انسان کے شکار کو چل پڑا۔

۵۔ اس لوک کہانی کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

۶۔ مجازِ مرسل کی تین مثالیں تحریر کریں۔

مجازِ مُرسل: جب کسی لفظ کو حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال کیا جائے کہ اس میں تشبیہ کے علاوہ کوئی اور تعلق پایا جائے، اسے مجازِ مرسل کہتے ہیں۔

مجازِ مرسل کی کئی اقسام ہیں، جن میں جز سے کُل، کل سے جُز، ماضی سے حال، حال سے مستقبل، سبب سے مسبب، مسبب سے سبب وغیرہ مراد لینا۔

مثلاً: ۱۔ وہ ساری پلیٹ کھا گیا۔

یہاں پلیٹ کھانے سے مراد پلیٹ میں پڑی ہوئی چیز ہے۔

۲۔ میں نے کتاب بازار سے خریدی ہے۔

یہاں بازار سے مراد کوئی دکان ہے۔

۳۔ آج اگر محنت نہ کی تو کل پچھتانا پڑے گا۔

یہاں کل سے مراد آئندہ آنے والا زمانہ ہے۔

۴۔ اقبالؒ نے شاعری کے ذریعے قوم کو بیدار کیا۔

یہاں بیدار سے مراد ہوش دلانا ہے۔

لوک کہانی: لوک کہانی سے مُراد عوامی کہانی ہے یعنی وہ قصّے کہانیاں جو عوام میں مروّج ہوں۔ لوک کہانیاں اسلاف یا اجداد کی جانب سے سینہ در سینہ اور نسل در نسل چلی آنے والی داستانیں ہوتی ہیں جن کی عام طور پر کوئی تحریری حیثیت نہ رہی ہو۔

awazeinqilab.com

مگر آج کی دنیا میں جہاں ہر چیز اور ہر موضوع پر لکھا جا چکا ہے، وہیں لوک کہانیاں بھی تحریری صورت میں جمع ہونے لگی ہیں اور یہ کہانیاں ہمارے ''لوک ادب'' کا بنیادی حصّہ ہیں۔ لوک کہانیاں ہر خطے اور ہر علاقے میں پائی جاتی ہیں اور یہ عوام کی اخلاقی، تہذیبی اور معاشرتی اقدار کی عکاسی کرتی ہیں۔

۱۔ طلبہ گروپ کی صورت میں باہمی مشورے سے لوک کہانی تحریر کریں۔
۲۔ طلبہ اِس لوک کہانی کے بارے میں اپنی رائے پیش کریں۔

ہدایت برائے اساتذۂ کرام

۱۔ طلبہ کو اخلاقی کہانیوں کی اہمیت کے بارے میں تفصیل سے بتائیں اور کہانی لکھنے میں رہنمائی، مدد اور حوصلہ افزائی کریں۔
۲۔ طلبہ کو "انسان کی عظمت" کے بارے میں قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھائیں۔
۳۔ طلبہ کو ماں باپ کی نصیحتوں پر عمل کرنے کی ترغیب دیں۔

مولوی عبدالحق

ولادت: ۱۸۷۰ء // وفات: ۱۹۶۱ء

مولوی عبدالحق ہاپوڑ، ضلع میرٹھ میں پیدا ہوئے ابتدائی تعلیم پنجاب اور یو۔پی سے حاصل کی۔ اس کے بعد مدرسۃ العلوم علی گڑھ میں داخل ہوئے۔ اپنے فلسفیانہ طرزِ فکر کی بدولت مدرسۃ العلوم میں ''عبدالحق فلسفی'' کے نام سے مشہور تھے۔ اسی زمانے میں سر سید احمد خان کے رسالے ''تہذیب الاخلاق'' میں اُردو زبان کے مستقبل پر مضمون لکھا جس سے قدرتی طور پر ان کا نصب العین ظاہر ہوگیا۔ تعلیم کی تکمیل کے کچھ عرصے بعد وہ حیدر آباد (دکن) چلے گئے اور محکمہ تعلیم میں مختلف عہدوں پر ملازمت کرتے رہے۔ ان کا شمار ان چند لوگوں میں ہوتا ہے جن کی تجاویز پر جامعہ عثمانیہ کا قیام عمل میں لایا گیا۔

مولوی صاحب ایک طویل عرصے تک انجمن ترقیِ اُردو کے سیکرٹری رہے۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوؤں کے ''ذوق ہندی'' کی بدولت اُردو زبان مختلف مسائل کا شکار تھی لیکن یہ مولوی صاحب کی مسلسل محنت، ہمت اور جرأت تھی کہ اُردو کے خلاف کوئی سازش کامیاب نہیں ہوئی۔ قیام پاکستان کے بعد مولوی صاحب پاکستان چلے آئے اور کراچی میں رہائش اختیار کی۔ کراچی میں جامعہ عثمانیہ کی طرز پر اُردو کالج قائم کیا۔

مولوی صاحب ایک مُحقِّق، نقاد، خاکہ نویس اور اِنشا پرداز تھے۔ حیدر آباد (دکن) میں قیام کے دوران میں اُنھوں نے اُردو کی بے شمار قدیم اور نایاب کتب دریافت کیں۔ اُن کتابوں پر ان کے لکھے گئے مقدمات اُردو زبان و ادب کا بہترین سرمایہ ہیں۔ اُردو زبان و ادب کے لیے اُن کے ناقابل فراموش کردار کی وجہ سے اُنھیں ''بابائے اُردو'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

تصانیف چند ہم عصر، مقدماتِ عبدالحق، خطبات عبدالحق، تنقیداتِ عبدالحق، قواعد زبانِ اُردو، انتخاب کلامِ میر وغیرہ۔

awazeinqilab.com

نام دیو مالی

حاصلاتِ تعلّم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ تیز رفتار سماعت کے حوالے سے اہم نکات مع تبصرہ وتشریح لکھنے / بیان کرنے کے قابل ہو سکیں۔
۲۔ متن کو سمجھ کر حقائق پر مبنی سوالات کے جوابات تحریر کر سکیں۔
۳۔ جملہ معترضہ کے حوالے سے غلط فقرات کی درستی کر سکیں۔
۴۔ کسی نثر پارے یا فن پارے کا فنی وفکری خوبیوں اور نقائص (حسن وقبح) کے پیشِ نظر تشریح کر سکیں۔
۵۔ اخبار، کمپیوٹر، ٹی وی وغیرہ سے معلومات اخذ کر سکیں اور حالاتِ حاضرہ، معاشی اور سیاسی مسائل پر اپنا نقطۂ نظر تحریر کر سکیں۔
۶۔ عبارت سے ذومعنی الفاظ کو علیٰحدہ کر سکیں۔

نام دیو، مقبرہ رابعہ دُرانی اورنگ آباد (دکن) کا مالی تھا۔ ذات کا ڈھیڑ، جو بہت نیچ قوم خیال کی جاتی ہے۔ قوموں کا امتیاز مصنوعی ہے اور رفتہ رفتہ نسلی ہوگیا ہے۔ سچائی، نیکی اور حُسن کسی کی میراث نہیں۔ یہ خوبیاں نیچ ذات والوں میں بھی ایسی ہی ہوتی ہیں جیسی اونچی ذات والوں میں

ؔ قیس ہو کوہکن ہو یا حالؔی
عاشقی کچھ کسی کی ذات نہیں

مقبرے کا باغ میری نگرانی میں تھا۔ میرے رہنے کا مکان بھی باغ ہی کے احاطے میں تھا۔ میں نے اپنے بنگلے کے سامنے چمن بنانے کا کام نام دیو کے سپرد کیا۔ میں اندر کمرے میں کام کرتا رہتا تھا۔ میری میز کے سامنے بڑی سی کھڑکی تھی۔ اس میں سے چمن صاف نظر آرہا تھا۔ لکھتے لکھتے کبھی نظر اُٹھا کر دیکھتا تو نام دیو کو ہمہ تن اپنے کام میں مصروف پاتا۔

بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا مثلاً کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانولا صاف کر رہا ہے تھانولا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھا۔ پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا، خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی اور خوشی بھی۔ کام اسی وقت کام ہوتا ہے جب اس میں لذّت آنے لگے۔ بے مزا کام کام نہیں بیگار ہے۔

اب مجھے اس سے دلچسپی ہونے لگی یہاں تک کہ بعض اوقات اپنا کام چھوڑ کر اسے دیکھا کرتا۔ مگر اسے کچھ خبر نہیں ہوتی کہ کوئی دیکھ رہا ہے یا اس کے آس پاس کیا ہو رہا ہے۔ وہ اپنے کام میں مگن رہتا اس کے کوئی اولاد نہیں تھی۔ وہ اپنے پودوں اور پیڑوں ہی کو اپنی اولاد سمجھتا تھا اور اولاد کی طرح ان کی پرورش اور نگہداشت کرتا ان کو سرسبز و شاداب دیکھ کر ایسا ہی خوش ہوتا جیسے ماں اپنے بچے کو دیکھ کر خوش ہوتی ہے۔ وہ ایک ایک پودے کے پاس بیٹھتا، ان کو پیار کرتا، جھک جھک کے دیکھتا اور ایسا معلوم ہوتا کہ گویا ان سے چپکے چپکے باتیں کر رہا ہے۔ جیسے جیسے وہ بڑھتے اور پھولتے پھلتے اس کا دل بھی بڑھتا اور پھولتا تھا۔ ان کو توانا اور ٹانٹا دیکھ کر اس کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ جاتی کبھی کسی پودے میں اتفاق سے کیڑا لگ جاتا یا کوئی اور روگ پیدا ہو جاتا، تو اسے بڑا فکر ہوتا۔ بازار سے دوائیں لاتا، باغ کے داروغہ یا مجھ سے کہہ کر منگاتا۔ دن بھر اس میں لگا رہتا اور اس پودے کی ایسی سیوا کرتا جیسے کوئی ہمدرد اور نیک دل ڈاکٹر اپنے عزیز بیمار کی کرتا ہے۔ ہزار جتن کرتا اور اسے بچا لیتا اور جب تک وہ تندرست نہ ہو جاتا اسے چین نہ آتا۔ اس کے لگائے ہوئے پودے ہمیشہ پروان چڑھے اور کبھی کوئی پیڑ ضائع نہ ہوا۔

باغوں میں رہتے رہتے اسے جڑی بوٹیوں کی شناخت ہوگئی تھی۔ خاص کر بچّوں کے علاج میں اسے بڑی مہارت تھی۔ دور دور سے لوگ اس کے پاس بچوں کے علاج کے لیے آتے تھے۔ وہ اپنے باغ ہی میں سے جڑی بوٹیاں لا کر بڑی شفقت اور غور سے ان کا علاج کرتا۔ کبھی کبھی دوسرے گاؤں والے بھی اسے علاج کے لیے بلا لے جاتے۔ بلا تأمل چلا جاتا، مفت علاج کرتا اور کبھی کسی سے کچھ نہ لیتا۔

awazeinqilab.com

وہ خود بھی بہت صاف ستھرا رہتا اور ایسا ہی اپنے چمن کو بھی رکھتا۔ اس قدر پاک صاف جیسے رسوئی کا چوکا، کیا مجال جو کہیں گھاس پھونس یا کنکر پتھر پڑا رہے۔ رَوِش با قاعدہ، تھانولے درست، سینچائی اور شاخوں کی کاٹ چھانٹ وقت پر، جھاڑنا بہارنا، صبح و شام روزانہ، غرض سارے چمن کو آئینہ بنا رکھا تھا۔

باغ کے داروغہ عبدالرحیم خان خود بھی بڑے کار گزار اور مستعد شخص ہیں اور دوسروں سے بھی کھینچ تان کر کام لیتے ہیں اکثر مالیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنی پڑتی ہے۔ ورنہ ذرا بھی نگرانی میں ڈھیل ہوئی، ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے یا بیڑی پینے لگے یا سائے میں جا لیٹے۔ عام طور پر انسان فطرتاً کاہل اور کام چور واقع ہوا ہے۔ آرام طلبی ہم میں کچھ موروثی ہوگئی ہے لیکن نام دیو کو کبھی کچھ کہنے سننے کی نوبت نہ آئی، وہ دنیا و مافیہا سے بے خبر اپنے کام میں لگا رہتا، نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا۔

ایک سال بارش بہت کم ہوئی۔ کنوؤں اور باؤلیوں میں پانی برائے نام رہ گیا۔ باغ میں آفت ٹوٹ پڑی۔ بہت سے پودے اور پیڑ تلف ہوگئے۔ جو بچ رہے وہ ایسے نڈھال اور مرجھائے ہوئے تھے، جیسے بہت دن کے بیمار، لیکن نام دیو کا چمن ہرا بھرا تھا۔ وہ دور دور سے ایک ایک گھڑا پانی کا سر پر اٹھا کے لاتا اور پودوں کو سینچتا۔ یہ وہ وقت تھا کہ قحط نے لوگوں کے اوسان خطا کر رکھے تھے اور انھیں پینے کو پانی مشکل سے میسر آتا تھا۔ مگر یہ خدا کا بندہ کہیں نہ کہیں سے لے ہی آتا اور اپنے پودوں کی پیاس بجھاتا۔ جب پانی کی قلت بڑھی تو اس نے راتوں کو بھی پانی ڈھو ڈھو کر لانا شروع کیا۔ پانی کیا تھا یوں سمجھیے کہ آدھا پانی اور آدھی کیچڑ ہوتی تھی لیکن یہ گدلا پانی پودوں کے حق میں آبِ حیات تھا۔

مَیں نے اس بے مثل کار گزاری پر اسے انعام دینا چاہا۔ تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ شاید اس کا کہنا ٹھیک تھا کہ اپنے بچوں کو پالنے پوسنے میں کوئی انعام کا حق دار نہیں ہوتا۔ کیسی ہی تنگی ترشی ہو، ہر حال میں کرنا ہی پڑتا ہے۔

جب حضور نظام کو اورنگ آباد کی خوشگوار آب و ہوا میں باغ لگانے کا شوق ہوا تو یہ کام ڈاکٹر سراج الحسن تعلیمات کو تفویض ہوا۔ ڈاکٹر صاحب کا ذوقِ باغبانی مشہور تھا۔ مقبرہ رابعہ درانی اور اس کا باغ جو اپنی

ترتیب و تعمیر کے اعتبار سے مغلیہ باغ کا بہترین نمونہ ہے، مدت سے ویران اور سنسان پڑا تھا۔ وحشی جانوروں کا مسکن تھا اور جھاڑ جھنکاڑ سے پٹا پڑا تھا۔ آج ڈاکٹر صاحب کی بدولت سرسبز، شاداب اور آباد نظر آتا ہے۔ اب دور دور سے لوگ اسے دیکھنے آتے ہیں اور سیر و تفریح سے محظوظ ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر صاحب کو آدمی پرکھنے میں کمال تھا۔ وہ نام دیو کے بڑے قدر دان تھے۔ اسے مقبرے سے شاہی باغ لے گئے۔ شاہی باغ آخر شاہی باغ تھا، کئی کئی نگران کار اور بیسیوں مالی اور مالی بھی کیسے کیسے۔ ٹوکیو سے جاپانی، طہران سے ایرانی، اور شام سے شامی آئے تھے۔ ان کے بڑے ٹھاٹھ تھے۔ یہ ڈاکٹر صاحب کی اپج تھی۔ شاہی باغ کو حقیقت میں شاہی باغ بنانا چاہتے تھے۔ یہاں بھی نام دیو کا وہی رنگ تھا۔ اس نے فن باغبانی کی نہ کہیں تعلیم پائی تھی اور نہ اس کے پاس کوئی سند یا ڈپلوما تھا۔ البتہ کام کی دھن تھی۔ کام سے سچا لگاؤ تھا اور اسی میں اس کی جیت تھی۔ شاہی باغ میں بھی اسی کا کام مہا کاج رہا۔ دوسرے مالی لڑتے جھگڑتے، سینڈھی شراب پیتے، یہ نہ کسی سے لڑتا جھگڑتا نہ سینڈھی شراب پیتا۔ یہاں تک کہ کبھی بیڑی بھی نہ پی۔ بس یہ تھا اور اس کا کام۔

ایک دفعہ نہ معلوم کیا بات ہوئی کہ شہد کی مکھیوں کی یورش ہوئی، سب مالی بھاگ بھاگ کر چھپ گئے۔ نام دیو کو خبر بھی نہ ہوئی کہ کیا ہو رہا ہے۔ وہ برابر اپنے کام میں لگا رہا۔ اسے کیا معلوم تھا کہ قضا اس کے سر پر کھیل رہی ہے۔ مکھیوں کا غضب ناک جھلر اس غریب پر ٹوٹ پڑا اتنا کاٹا کہ بے دم ہوگیا۔ آخر اسی میں جان دے دی۔

وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا اور مُنکسر المزاج تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی، اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

گرمی ہو یا جاڑا، دھوپ ہو یا سایہ وہ دن رات برابر کام کرتا رہا۔ اسے کبھی یہ خیال نہ آیا کہ میں

awazeinqilab.com

بہت کام کرتا ہوں یا میرا کام دوسروں سے بہتر ہے۔ اسی لیے اسے اپنے کام پر فخر یا غرور نہ تھا۔ وہ یہ باتیں جانتا ہی نہ تھا۔ اسے کسی سے بیر تھا نہ جلاپا۔ وہ سب کو اچھا سمجھتا اور سب سے محبت کرتا تھا اور غریبوں کی مدد کرتا۔ وقت پر کام کرتا۔ آدمیوں، جانوروں، پودوں کی خدمت کرتا لیکن کبھی اسے یہ احساس نہ ہوا کہ وہ نیک کام کر رہا ہے۔ نیکی اسی وقت تک نیکی ہے جب تک آدمی کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ کوئی نیک کام کر رہا ہے۔ جہاں اس نے یہ سمجھنا شروع کیا، نیکی نیکی نہیں رہتی۔ جب کبھی مجھے نام دیو کا خیال آتا ہے تو میں سوچتا ہوں کہ نیکی کیا ہے؟ اور بڑا آدمی کسے کہتے ہیں؟ ہر شخص میں قدرت نے کوئی نہ کوئی صلاحیت رکھی ہے۔ اس صلاحیت کو درجۂ کمال تک پہنچانے میں ساری نیکی اور بڑائی ہے۔ درجۂ کمال تک نہ کبھی کوئی پہنچا ہے نہ پہنچ سکتا ہے۔ لیکن وہاں تک پہنچنے کی کوشش ہی میں انسان، انسان بنتا ہے۔ یہ سمجھو کہ کندن ہو جاتا ہے۔

حساب کے دن جب اعمال کی جانچ پڑتال ہوگی، وہ پوچھے گا تو یہ پوچھے گا کہ میں نے جو استعداد تجھ میں ودیعت کی تھی اسے کمال تک پہنچانے اور اس سے کام لینے میں تو نے کیا کیا اور خلق اللہ کو اس سے کیا فیض پہنچایا۔ اگر نیکی اور بڑائی کا یہ معیار ہے۔ تو نام دیو نیک بھی تھا اور بڑا بھی۔

تھا تو ذات کا ڈھیڑ پر اچھے اچھے شریفوں سے زیادہ شریف تھا۔

(چند ہم عصر)

مشق

۱۔ درج ذیل سوالات کے جوابات لکھیں۔

الف۔ نام دیو کس کام پر مامور تھا؟

ب۔ نام دیو اپنے کام کے بارے میں کس قسم کا رویّہ روا رکھتا تھا؟

ج۔ نام دیو کو کس چیز کی شناخت ہوگئی تھی اور وہ اس سے کیا کام لیتا تھا؟

د۔ نام دیو کو کس بے مثل کارگزاری پر انعام کا مستحق سمجھا گیا؟

ہ۔ نام دیو کے کردار میں کون سی خوبیاں موجود تھیں؟

و۔ مولوی عبدالحق کے نزدیک دنیا میں نیکی اور بڑائی کا معیار کیا ہے؟

ز۔ اس سبق کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

۲۔ درج ذیل الفاظ میں سے مذکّر اور مؤنث چن کر الگ کریں۔

مقبرہ۔ چمن۔ اتفاق۔ شناخت۔ علاج۔ صلہ۔ قحط۔ انعام۔ سایہ۔ مدد۔

۳۔ درج ذیل عبارت کی تشریح کریں۔

الف۔ بعض دفعہ اس کی حرکتیں دیکھ کر بہت تعجب ہوتا مثلاً کیا دیکھتا ہوں کہ نام دیو ایک پودے کے سامنے بیٹھا اس کا تھانولا صاف کر رہا ہے۔ تھانولا صاف کر کے حوض سے پانی لیا اور آہستہ آہستہ ڈالنا شروع کیا۔ پانی ڈال کر ڈول درست کی اور ہر رخ سے پودے کو مڑ مڑ کر دیکھا۔ پھر الٹے پاؤں پیچھے ہٹ کر اسے دیکھنے لگا۔ دیکھتا جاتا تھا اور مسکراتا، خوش ہوتا تھا۔ یہ دیکھ کر مجھے حیرت ہوتی اور خوشی بھی۔ کام اسی وقت کام ہوتا ہے جب اس میں لذّت آنے لگے۔ بے مزا کام کام نہیں بیگار ہے۔

ب۔ وہ بہت سادہ مزاج، بھولا بھالا اور مُنکسِرالمِزاج تھا۔ اس کے چہرے پر بشاشت اور لبوں پر مسکراہٹ کھیلتی رہتی تھی۔ چھوٹے بڑے ہر ایک سے جھک کر ملتا۔ غریب تھا اور تنخواہ بھی کم تھی، اس پر بھی اپنے غریب بھائیوں کی بساط سے بڑھ کر مدد کرتا رہتا تھا۔ کام سے عشق تھا اور آخر کام کرتے کرتے ہی اس دنیا سے رخصت ہوگیا۔

۴۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

امتیاز۔ نگہداشت۔ میراث۔ بندۂ خدا۔ دنیا و مافیہا۔ آبِ حیات۔ ذوق و شوق۔ قدردان۔ یورش۔ مُنکسِرالمِزاج۔

۵۔ جملہ معترضہ کی کوئی سی تین مثالیں تحریر کریں۔

* جملہ معترضہ:
جملہ معترضہ سے مراد ایسا جملہ ہے جو اصل جملے کی وضاحت کے لیے آئے اور اصل جملے کے خیال کو

awazeinqilab.com

واضح کرنے میں مدد دے۔ جملہ معترضہ قوسین میں لکھا جاتا ہے۔ جیسے:

أ۔ شاہد آفریدی (کرکٹ کے مشہور کھلاڑی) آج ہمارے سکول تشریف لائے تھے۔

ب۔ امجد (خدا بخش) بڑے باکمال انسان تھے۔

ج۔ ناصر (آپ کا ہم جماعت) آج بازار میں مجھے ملا۔

خاکہ: خاکہ کے لغوی معنی ''ابتدائی نقشہ'' یا ''ڈھانچہ'' کے ہیں۔

ادب کی اصطلاح میں خاکہ سے مراد ایسا مضمون یا تحریر ہے جو کسی شخصیت کا بھرپور تاثر پیش کرے، جس میں شخصیت کے خدوخال کے ساتھ ساتھ اُس کی سیرت و کردار کی بھی عکاسی کی جائے۔ خاکہ نگاری نہ تو شخصیت نگاری ہے اور نہ ہی سوانح نگاری بلکہ خاکہ نگار کا مقصد کسی شخصیت کے مزاج، افتادِ طبع اور افکار و کردار کی مدد سے اس کی انفرادیت کو اُجاگر کرنا ہوتا ہے۔ جس سے شخصیت کے مثبت و منفی خلوت و جلوت دونوں پہلو قاری کے سامنے آجائیں۔ اُردو میں فرحت اللہ بیگ کے مضمون ''نذیر احمد کی کہانی'' سے باقاعدہ خاکہ نگاری کا آغاز ہوا۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ مضمون ''نام دیو مالی'' کو مدِ نظر رکھ کر مولوی عبدالحق کی خاکہ نگاری پر مختصر نوٹ لکھیں۔

۲۔ طلبہ کاپی میں ''محنت میں عظمت ہے'' کے موضوع پر ایک مختصر کہانی لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کے مابین '' اَلْکَاسِبُ حَبِیْبُ اللّٰہ '' کے موضوع پر مذاکرہ کرائیں۔

۲۔ طلبہ کو اُردو کی ترقی کے لیے ''بابائے اُردو'' مولوی عبدالحق کی خدمات کے بارے میں تفصیل سے آگاہ کریں۔

Not For Sale

قدرت اللہ شہاب

ولادت: ۱۹۱۷ء // وفات: ۱۹۸۶ء

قدرت اللہ شہاب گلگت میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبداللہ تھا اور وہ مہاراجا کشمیر کی ملازمت میں تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں مختلف مقامات پر رہائش کی وجہ سے قدرت اللہ شہاب کی ابتدائی تعلیم اور زندگی مختلف مقامات پر گزری۔ میٹرک کا امتحان پاس کرنے کے بعد جموں کے پرنس آف ویلز کالج سے بی ایس سی کا امتحان پاس کیا۔ پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں ایم۔ اے انگریزی میں داخلہ لیا۔ قیامِ پاکستان کے بعد پاکستان سول سروس کے اعلیٰ عہدوں پر فائز رہے۔ جنرل ایوب خان کے دور میں ان کے سیکرٹری رہے۔ جنرل یحییٰ خان کے دور میں ملازمت سے استعفیٰ دے دیا۔ ۱۹۸۶ء اسلام آباد میں وفات پائی۔

قدرت اللہ شہاب کو شروع ہی سے علم و ادب سے دلچسپی تھی۔ ان کا اسلوبِ بیان نہایت شگفتہ، رنگین اور دلچسپ ہے۔ ان کی عبارت میں جھول اور رواداری نہیں ہوتی بلکہ وہ زبان و بیان ہر دو اعتبار سے باربط اور بامعنی ہوتی ہے۔ ان کی زبان سادہ، سلیس اور شُستہ ہے۔ انھوں نے اہلِ قلم کی فلاح و بہبود کے لیے سرکاری سطح پر رائیٹرز گلڈ کے نام سے ایک ادارے کی بنیاد ڈالی۔

تصانیف

یاخدا۔ نفسانے۔ ماں جی۔ سرخ فیتہ۔ شہاب نامہ۔

Not For Sale
awazeinqilab.com

سرابِ منزل

حاصلاتِ تعلم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ اپنی گفتگو میں مجازی مفہوم کے پیش نظر ڈرامائی کیفیات ادا کر سکیں۔
۲۔ مرکزی خیال کے حوالے سے کسی عبارت کی تشریح لکھ سکیں۔
۳۔ متن کو سمجھ کر حقائق پر مبنی سوالات کے جواب تحریر کر سکیں۔
۴۔ روزمرہ زندگی سے متعلق مفصل روداد تحریر کر سکیں۔
۵۔ جملہ معترضہ کے حوالے سے غلط فقرات کی درستی کر سکیں۔
۶۔ ذرائع ابلاغ، ٹیکنالوجی، کمپیوٹر وغیرہ پر اُردو کو استعمال کر سکیں۔

جس وقت "السوڈان" نے اسماعیلیہ کی بندرگاہ سے لنگر اٹھایا۔ اس میں ساڑھے سات سو عازمینِ حج سوار تھے۔ اس سارے قافلے میں فقط میں ایک غیر مصری مسافر تھا۔ میرے پاس ڈیکر پر سفر کرنے کا ٹکٹ تھا۔ جہاز کے چلتے ہی مائیکروفون پر اعلان ہوا کہ پاکستانی مسافر بالائی عرشے پر کپتان سے ملے۔ میں کپتان سے ملا۔ جہاز کا کپتان نہایت چاق چوبند نوجوان تھا۔ وہ بڑی روانی سے شُستہ انگریزی بولتا تھا۔ اس نے میرے پاسپورٹ اور دوسرے کاغذات کا معائنہ کیا۔ پھر قہوہ پلا کر پاکستان میں میری ملازمت کی نوعیّت کے متعلق کچھ سوالات کیے۔ اس کے بعد اس نے اپنے عملے کے ایک آدمی کو بلایا اور اسے کہا کہ مجھے ساتھ لے جا کر نوفل صاحب کے کیبن میں برتھ دلوادے۔

نوفل صاحب اسکندریہ کے بہت بڑے تاجر، صنعت کار اور رئیس تھے۔ وہ دس برس سے متواتر حج پر جا رہے تھے۔ نوفل صاحب نے اہلاً وسہلاً کہہ کر بڑی خوش دلی سے میرے لیے ایک برتھ خالی کر دی۔ اُن کی رفاقت میرے لیے نعمتِ غیر مترقبہ ثابت ہوئی۔ وہ بڑی اچھی انگریزی بولتے تھے۔ مناسکِ حج کے متعلق مجھے ان سے نہایت مفید معلومات حاصل ہوئیں۔ پاکستان کے متعلق وہ زیادہ نہیں جانتے تھے۔ شام کو مغرب کی نماز کے بعد انھوں نے بہت سے لوگوں کو اپنے ڈیک پر جمع کیا اور فرمائش کی کہ میں انھیں پاکستان کے متعلق کچھ بتاؤں۔ جہاز کا کپتان اور اس کے عملے کے کچھ افراد بھی وہاں آکر بیٹھ گئے۔ کوئی گھنٹہ بھر میں نے تحریکِ پاکستان اور قیامِ پاکستان کے چیدہ چیدہ واقعات سنائے۔

میں انگریزی میں ٹھہر ٹھہر کر بولتا تھا اور نوفل صاحب اس کا عربی میں ترجمہ کرتے جاتے تھے۔ آزادی کے وقت لاکھوں مسلمانوں کی شہادت اور مہاجرین کے حالات سن کر سب کو بڑی حیرت ہوئی۔ جب میں نے تفصیلات بتاتے ہوئے یہ کہا کہ دنیا کی اس پانچویں بڑی مملکت کا نصب العین یہی ہے کہ "پاکستان کا مطلب کیا، لا الہ الا اللہ" تو سارے مجمع نے بے ساختہ کلمہ طیبّہ کا ورد کیا اور پھر سب نے کھڑے ہو کر پاکستان کے حق میں دعا مانگی۔ محمد نوفل صاحب بلند آواز سے دعا کے الفاظ بولتے تھے۔ باقی سب لوگ زور زور سے آمین آمین کہتے تھے۔ اس کے بعد بہت سے لوگوں نے مجھے قہوے کے اتنے فنجان پلائے کہ ان کی حِدّت سے مجھے رات بھر کئی بار نکسیر پھوٹی۔

یوں بھی بحیرۂ احمر میں گرمی اپنے پورے شباب پر تھی۔ سمندر کی لہریں جہاز سے ٹکراتی تھیں تو یوں محسوس ہوتا تھا جیسے ہمارے چاروں طرف بڑی بڑی دیگوں میں ابلتا ہوا پانی جوش کھا رہا ہے۔ اس کے باوجود عازمینِ حج کی ٹولیاں بڑے اطمینان سے عرشے پر جا بہ جا بیٹھی تھیں۔ کچھ لوگ تلاوتِ قرآن پاک میں مصروف تھے۔ کچھ تسبیح کر رہے تھے کچھ حج کی دعائیں یاد کرنے میں لگے ہوئے تھے۔

اگلے روز نمازِ عشا کے بعد اعلان ہوا کہ رات کے ساڑھے گیارہ بجے جہاز میقاتِ حرم سے گزرے گا، اس لیے سب لوگ احرام باندھنے کی تیاری کر لیں۔ یہ اعلان سنتے ہی مسافروں میں بجلی کی رو دوڑ گئی اور سب لوگ احرام کی تیاریوں میں منہمک ہو گئے۔ ساڑھے گیارہ بجے تک سب مسافر احرام باندھ کر جہاز کے عرشوں پر جمع ہو گئے تھے۔ گیارہ بج کر چالیس منٹ پر جہاز کا سائرن بجا اور ساڑھے سات سو حاجیوں نے

awazeinqilab.com

یک زبان تلبیہ کا آوازہ بلند کیا۔ "لَبَّیْکَ اَللّٰھُمَّ لَبَّیْکَ لَبَّیْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ لَبَّیْکَ اِنَّ الْحَمْدَ وَنِعْمَتَ لَکَ وَالْمُلْکَ لَا شَرِیْکَ لَکَ۔" *

(اے اللہ میں تیرے دربار میں حاضر ہوگیا۔ تیرا کوئی شریک نہیں۔ تحقیق ہر طرح کی تعریف اور نعمت تیرے لیے ہے اور ملک تیرے لیے ہے۔ تیرا کوئی شریک نہیں)

تلبیہ کا نعرہ لگاتے ہی یہ مجمع چشم زدن میں خالق کائنات کے حضور جا کھڑا ہوا۔ اب جہاز کے انجن کی چھک چھک اور سمندر کی لہروں کی شاں شاں کسی کو سنائی نہ دیتی تھی۔ بُحیرہ احمر کا پانی بھی کسی کو نظر نہ آتا تھا۔ ساری کائنات ایک خلا بن گئی جس میں عبد اور معبود کے علاوہ کسی کا وجود باقی نہ رہا تھا۔

اگلے روز صبح سویرے "السوڈان" جدہ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوگیا۔ میرا جی چاہتا تھا کہ میں اس مقدس سرزمین پر سر کے بل اُتروں لیکن میں اس خواہش کو عملی جامہ پہنانے سے قاصر رہا۔

کسٹم ہاؤس کے آس پاس بہت سے معلموں کے وکیل اپنا اپنا دفتر لگائے بیٹھے تھے۔ ایک جگہ عبدالرازق محبوب کا بورڈ لٹکا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد سلہٹ کے بہت سے بنگالی زائرین جمع تھے۔ معلّم کا وکیل حساب لگا کر انھیں چیخ چیخ کر سمجھا رہا تھا کہ جس کے پاس تین سو پچاسی ریال کی رقم موجود نہیں، نہ وہ حج کے اخراجات پورے کرسکتا ہے اور نہ مدینہ منورہ کی زیارت سے فیض یاب ہوسکتا ہے۔ جو شخص اسے پوری رقم گن کر دکھا دیتا تھا وکیل اس کا نام معلّم کے رجسٹر میں درج کرلیتا تھا۔ مین نے بھی تین سو پچاسی ریال دکھا کر عبدالرازق محبوب کو اپنا معلّم مقرر کرلیا۔

جدہ کے حاجی کیمپ میں ہمارے معلّم نے اپنی آسامیوں کو دو حصوں میں تقسیم کر رکھا تھا۔ ایک طبقہ تو آسودہ حال حاجیوں کا تھا جو معلّم کی فیس کے علاوہ مکہ معظمہ میں اس سے رہائشی کمرے کرائے پر لینے کی توفیق بھی رکھتے تھے۔ دوسرا طبقہ ہمارے جیسے تین سو پچاسی ریال والوں کا تھا جو بڑی مشکل سے صرف ضروری واجبات ادا کرنے کی پوزیشن میں تھے۔ جدہ سے مکہ کو روانگی کے وقت پہلے طبقہ کو بسوں کے اندر سیٹوں پر بٹھایا جاتا تھا اور ہمیں چھت پر جگہ ملتی تھی۔

ہماری بس آدھی رات کے قریب مکہ معظمہ میں داخل ہوئی۔ عبدالرازق محبوب کا بارہ تیرہ سال کا بیٹا

ہمارے گروپ کو ایک نالے کے کنارے لے گیا اور تیس پینتیس گز زمین گھیر کر اسے ہماری اقامت گاہ قرار دے دیا۔ کچھ لوگ چادریں بچھا کر لیٹنے لگے تو معلّم کے بیٹے نے ڈانٹا کہ یہ سونے کا وقت نہیں بلکہ ہم وضو کرکے تیار ہو جائیں۔ وہ تھوڑی دیر میں واپس آکر ہمیں عمرہ کرانے لے جائے گا۔ ہم نے بھاگ دوڑ کر کسی نہ کسی طرح وضو کیا اور معلّم کے بیٹے کے انتظار میں بیٹھ گئے۔ وہ برخوردار ڈھائی تین گھنٹے بعد نمودار ہوا اور ہم بیس پچیس آدمی تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت اللہ شریف کی طرف روانہ ہوگئے۔

ہم نے عمرہ ادا کیا۔ نمازِ فجر کے بعد میں ایک ستون کے ساتھ ٹیک لگا کر قرآن پاک کی تلاوت کرنے لگا۔ ابھی چند ہی سطریں پڑھ پایا تھا کہ مجھے نیند کے سخت جھونکے آنے لگے۔ میں نے قرآن شریف رکھا۔ باہر آکر ڈھونڈتا ڈھونڈتا بڑی مشکل سے اپنی جائے قیام پر واپس پہنچا۔ میرے کچھ ساتھی عمرہ کرنے کے بعد احرام کھول کر سو رہے تھے۔

نالے کے کنارے میرے بالکل قریب بہاول پور کے ایک خاندان نے ڈیرہ لگایا ہوا تھا ایک بوڑھے میاں بیوی کے ساتھ ان کی جوان بہو تھی۔ بڑے میاں تو اکثر خاموش بیٹھے حقہ پیتے رہتے تھے لیکن ساس اور بہو میں بات بات پر بڑی طویل لڑائی ہوا کرتی تھی۔ لڑائی میں ہار اکثر بہو کی ہوتی تھی اور یہ شکست کے بعد روتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوتی تھی اور ساس سے کہتی تھی۔ "اچھا تم نے جتنا ظلم کرنا ہے مجھ پر کرلو۔ میں بھی ابھی جا کر طواف کرتی ہوں اور اللہ میاں کے پاس اپنی فریاد پہنچاتی ہوں"۔

یہ دھمکی سنتے ہی اس کی ساس فوراً پسیج جاتی تھی اور بہو کا دامن پکڑ کر بڑی لجاجت سے کہتی تھی۔

"نہ بیٹی نہ، تُو تو میری بیٹی ہے۔ ایسی غلطی نہ کرنا۔ خواہ مخواہ کوئی الٹی سیدھی بات منہ سے نہ نکال بیٹھنا۔ طواف میں جو منہ سے نکلے وہ پورا ہو کر رہتا ہے۔"

یہ ڈراما دن رات میں کئی مرتبہ ہوتا تھا۔ ایک روز بڑی شدید گرمی تھی۔ دوپہر کے وقت اچانک آندھی آئی اور خوب تیز بارش ہونے لگی۔ نالے کے کنارے حاجیوں کا سامان کیچڑ میں لت پت ہوگیا۔ اب ساس بہو میں بڑی سخت چخ چخ ہونے لگی۔ غصے میں آکر ساس نے بہو کو چوٹی سے پکڑ لیا اور اسے جھنجھوڑ جھنجھوڑ

awazeinqilab.com

کر کہنے لگی۔ ’’آج صبح طواف میں یہ کمبخت کہہ رہی تھی۔ اللہ بڑی گرمی ہے۔ اللہ بڑی گرمی ہے۔ اللہ بارش، اللہ بارش۔ ارے کالے منہ والی، تمھیں پتہ نہیں، یہاں پر دعا قبول ہوتی ہے۔ لے اب بارش کا مزا چکھ اور یہ سامان تیرا باپ آکے سکھائے گا...................‘‘۔

ان سیدھے سادے مسلمانوں کا ایمان اس قدر راسخ تھا کہ خانہ کعبہ کے گرد طواف کرتے ہی وہ کوہِ طور کی چوٹی پر پہنچ جاتے تھے اور اپنے معبودِ حقیقی سے راز و نیاز کر کے نفسِ مطمئنہ کا انعام پاتے تھے۔ انھیں حق الیقین کی دولت حاصل تھی اور بڑی بے تکلفی سے اپنی اپنی فرمائشیں ربِ کعبہ کے حضور پیش کر کے کھٹا کھٹ قبولیت کی مہر لگوا لیتے تھے۔

منیٰ کے لیے روانگی کے دن معلّم نے انتظام تو تین بسوں کا کیا تھا لیکن کسی وجہ سے اب تک صرف ایک بس میسر آئی تھی۔ اب جو لوگ ٹیکسی کا کرایہ ادا کر سکتے تھے، انھوں نے ٹیکسی تلاش کر لی۔ باقی حضرات پیدل منیٰ کو روانہ ہو گئے۔ نالے کے کنارے والے میرے ساتھی ہنسی خوشی پیدل چل پڑے۔ میں بھی ان کے ہمراہ ہو گیا۔

شہر سے نکل کر جب کھلی سڑک پر آئے تو احرام پوش مخلوق کا ایک جمِ غفیر سیلاب کی لہروں کی طرح منیٰ کی طرف پا پیادہ رواں دواں تھا۔ ان کے درمیان بسوں، ٹرکوں اور موٹر کاروں کی بے ترتیب قطاریں ایک دوسرے کے ساتھ لپٹی ہوئی آہستہ آہستہ رینگ رہی تھیں۔ بڑی سڑک پر پہنچتے ہی نالے کے کنارے والے ساتھی بھی ایک دوسرے سے بچھڑ گئے۔ فضا میں تلبیہ کی گونج کا سائبان تنا ہوا تھا۔ زمین پر ہزاروں مضطرب قدم تیز رفتاری سے ایک ہی منزل کی طرف بڑھ رہے تھے۔ کسی کو کسی سے کوئی سروکار نہ تھا۔ ہر شخص اپنی دُھن میں مست اور بے خود تھا۔

گرد و پیش کی پہاڑیوں پر جا بجا چونے کی سفیدی بکھری ہوئی نظر آ رہی تھی۔ قریب جا کر دیکھا تو یہ چونے کی قلعی نہ تھی بلکہ احرام پوش حاجیوں کے گروہ تھے جو پہاڑیوں کی ڈھلانوں پر بسیرا ڈالے بیٹھے تھے۔ ان کی تقلید میں، مَیں نے بھی ایک چٹان کے سائے میں پناہ ڈھونڈ لی۔

اگلی صبح لاکھوں کا یہ قافلہ میدانِ عرفات کی جانب روانہ ہوا۔ ان کے پیچھے پیچھے میں بھی وہاں پہنچا۔ کچھ لوگوں نے جبلِ رحمت کے دامن میں بیٹھ کر وقوف کیا۔ میں نے بھی کہیں جگہ ڈھونڈ لی۔ شام کو سب کے پیچھے پیچھے مُزدلفہ پہنچا۔ مزدلفہ کی چاندنی رات ختم ہوتے ہی اس عظیم الشان تنہائی کے لمحات بھی رخصت ہو گئے جو منیٰ، عرفات اور مزدلفہ میں لاکھوں کے ہجوم نے مجھے عطا کیے تھے۔ ہجومِ عرفات کی تنہائی میں سکون ہی سکون تھا۔

مراحلِ حج سے فارغ ہو کر مکہ معظّمہ واپس آتے ہی میرے سر پر مدینہ منورہ پہنچنے کی دھن سوار ہو گئی۔ لیکن معلّم عبدالرازق محبوب نے بڑی سنگدلی سے مجھے سمجھایا کہ میرے مدینہ شریف روانہ ہونے کی تاریخ سعودی حکومت سے مقرر ہو کر آئے گی۔ اس وقت تک میں صبر سے کام لوں اور بار بار اپنا پاسپورٹ مانگ کر اسے دِق نہ کروں۔ معلّم سے مایوس ہو کر میں نے خانہ کعبہ کی راہ لی۔ سڑک پر سامنے سے پاکستان ایمبیسی کی ایک کار آتی ہوئی دکھائی دی۔ کار میں سفارت خانے کا کچھ عملہ سوار تھا۔ ان میں سے ایک صاحب مجھے پہچانتے تھے۔ انھوں نے کار روکی اور علیک سلیک کے بعد چھوٹتے ہی پوچھا۔ ’’آپ مدینہ منورہ چلیں گے؟‘‘

’’جی ہاں، ضرور‘‘ میں نے بوکھلا کر کہا ’’لیکن کیسے؟‘‘

انھوں نے بتایا کہ خشکی کے راستے آیا ہوا پاکستانی حاجیوں کا ایک قافلہ آج شام جدہ سے مدینہ روانہ ہو رہا ہے۔ اگر میں اس میں شامل ہونا چاہوں تو ابھی ان کے ساتھ کار میں بیٹھ کر جدہ روانہ ہو جاؤں۔

میں نے بھاگ دوڑ کر الوداعی طواف کیا۔ نالے کے کنارے سے اپنے سامان کی پوٹلی اٹھائی۔ ایمبیسی کے عملے نے میرے معلّم سے میرا پاسپورٹ وصول کیا اور پورے ساڑھے تین گھنٹے کے اندر اندر میں قافلے کی بس میں بیٹھا ہوا سوئے مدینہ رواں تھا۔ اس زمانے میں جدہ سے مدینہ جانے والی سڑک پختہ نہ تھی۔ بس ایک کشادہ سا روڑے دار راستہ تھا۔ جو کہیں سے کچا تھا۔ کہیں سے سنگلاخ تھا۔ ہمارا قافلہ بھی رات بھر چلتا رہا۔ صبح دس بجے کے قریب مدینہ سے چار پانچ میل اِس طرف رک گیا۔ یہاں ایک کنواں تھا جس پر

رہٹ چل رہا تھا۔ قافلے والوں نے یہاں اتر کر غسل کیا۔ نئے کپڑے پہنے۔

میری عمر اس وقت بتیس تینتیس برس تھی۔ مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم تک پہنچتے پہنچتے میری آنکھیں سرخ ہو کر سوج گئیں اور راستہ نظر آنا مشکل ہو گیا۔ ایک بھلے آدمی نے میری رہنمائی کی اور مجھے بابِ جبریل تک پہنچا دیا۔ بابِ جبریل پر عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا ہجوم تھا۔ ایک نورانی صورت بزرگ چٹائی پر بیٹھے لوگوں کے جوتے سنبھالنے میں مصروف تھے۔ میری آنکھوں میں اب تک دھندسی چھائی ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کے ریلے میں پھنس گیا۔ ایک مقام پر لوگوں سے ٹکرا کر جوتوں کے ڈھیر پر اوندھے منہ گرا، جوتوں کی رکھوالی کرنے والے صاحب نے مجھے سہارا دے کر اٹھایا اور اپنے پاس چٹائی پر بٹھالیا۔ وہ ٹوٹی پھوٹی اردو بول لیتے تھے۔ انھوں نے مجھے پانی پلایا۔ ایک ڈاکٹر کی دکان پر لے جا کر میری آنکھوں میں دوائی ڈلوائی، جس سے مجھے آرام ملا۔ یہ صاحب مشرق اور مغرب کے بہت سے ملکوں کی سیاحی کر چکے تھے۔ عربی تو ان کی مادری زبان تھی۔ اس کے علاوہ ترکی، فارسی، انگریزی اور فرانسیسی سے بھی آشنا تھے۔ اٹھارہ انیس برس سے روضۂ رسول صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا اور مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی صفائی کے انتظامات سے وابستہ تھے۔ رضا کارانہ طور پر بابِ جبریل کے باہر جوتے سنبھالنے کے کام میں بھی ہاتھ بٹاتے تھے۔ ایک روز تو جوتے رکھنے والے صاحب نے مجھ پر اپنی کرم فرمائی کی انتہا کر دی۔ عشاء کے بعد مسجدِ نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے دروازے بند ہونے لگے تو انہوں نے مجھے تہجد کی اذان تک اپنے ساتھ ہی رہنے دیا۔

تھوڑی دیر کے لیے جالی مبارک کے اندر اس عرشِ بریں جیسی مقدّس زمین پر مجھے اپنی پلکوں سے جاروب کشی کی اجازت بھی فرمائی۔

دو تین روز بعد کراچی جانے والا جہاز جدہ کی بندرگاہ پر سفر کے لیے تیار تھا۔ ایمبیسی کا عملہ حاجیوں کو الوداع کہنے آیا ہوا تھا۔ ہم رخصت ہوئے۔ وطن واپس پہنچ کر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میں حج کی منزلیں طے کر کے نہیں بلکہ محض سَرابِ منزل کے پیچھے بھاگ کر واپس آیا ہوں۔ سر تو میں نے منیٰ میں منڈوایا تھا لیکن اولے کراچی میں آکر پڑے جب میں جھوٹ، فریب اور حرص کی دلدل میں ایک بار پھر پہنچ چکا تھا۔

(شہاب نامہ)

مشق

۱۔ متن کے مطابق درست جواب کا انتخاب کریں۔

ا۔ ''السوڈان''میں عازمینِ حج کی تعداد تھی:

(i) ساڑھے تین سو (ii) ساڑھے پانچ سو (iii) ساڑھے سات سو (iv) ساڑھ چھ سو

ب۔ نوفل صاحب بہت بڑے تاجر تھے:

(i) جدّہ کے (ii) ریاض کے (iii) استنبول کے (iv) اسکندریہ کے

ج۔ کسٹم ہاؤس کے آس پاس اپنا دفتر لگائے بیٹھے تھے:

(i) معلّم (ii) وکیل (iii) جہازدان (iv) محرر

د۔ ''سرابِ منزل''سفرنامہ ہے:

(i) ترکی کا (ii) عمرے کا (iii) حج کا (iv) روس کا

ہ۔ مصنّف کے مطابق اُس وقت اُن کی عمر تھی:

(i) بتیس تینتیس برس (ii) پچیس چھبیس برس (iii) چالیس برس (iv) ساٹھ برس

۲۔ سوالوں کے جواب لکھیں۔

ا۔ مصنف نے تحریک پاکستان پر روشنی ڈالی تو سننے والوں کی جو کیفیت ہوئی، اسے اپنے الفاظ میں لکھیں۔

ب۔ بارش والے دن ساس اپنی بہو کو کس بات پر بُرا بھلا سُنا رہی تھی؟

ج۔ منیٰ سے عرفات کی طرف حاجیوں کی روانگی کا حال اپنے الفاظ میں تحریر کریں۔

د۔ جوتوں کی حفاظت کرنے والے شخص نے مصنف کی کیا مدد کی؟

awazeinqilab.com

۳۔ اس جملے کا کیا مطلب ہے؟

"سر تو منیٰ میں منڈوایا تھا لیکن اولے کراچی میں آکر پڑے"۔

۴۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہوجائے۔

خوش دلی، بے ساختہ، نصب العین، حق الیقین، جمِ غفیر، رواں دواں، سروکار، نحیف و نزار۔

۵۔ جملوں میں استعمال کر کے درج ذیل الفاظ کی تذکیر و تانیث واضح کریں۔

گرمی ، حج ، آواز، پانی ، رات ، چادر ، لڑائی، بس ، ٹرک ، خیمہ۔

۶۔ ذیل میں دیے گئے جملوں کو جملہ معترضہ کے حوالے سے درست کیجیے۔

ا۔ حکیم محمد سعیدؒ مرحوم ایک منجھے ہوئے سفر نامہ نگار تھے۔ خدا اُنھیں جنت نصیب کرے۔

ب۔ لطیف صاحب ہمارے پڑوسی کل ہمارے گھر آئے تھے۔

ج۔ اسلام آباد پاکستان کا دارالخلافہ ایک خوبصورت شہر ہے۔

د۔ اکرم تمہارا چچازاد امتحان میں اوّل آیا ہے۔

ہ۔ "انارکلی" امتیاز علی تاج اُردو کے نامور ڈرامانگار کا شاہکار ڈراما ہے۔

سفرنامہ:

جیسا کہ نام سے ظاہر ہے "سفرنامہ" کسی سفر کے حالات و واقعات کا بیان یا روداد ہے۔ فنی اصطلاح میں سفرنامہ سے مراد ایسی بیانیہ تحریر ہے جس میں مسافر یا سیاح شروع سے لے کے سفر کے اختتام تک اپنے تمام مشاہدات، کیفیات اور قلبی واردات کو بیان کرتا ہے۔ سفرنامے میں صرف خارجی ماحول کو بیان نہیں کیا جاتا بلکہ اس میں سفرنامہ نگار زندگی کے دوسرے جزئیات کو بھی تحریر کے احاطے میں لاتا ہے۔ اُردو کا پہلا سفرنامہ نگار یوسف خان کمبل پوش ہے جس کا سفرنامہ "عجائباتِ فرنگ" ۱۸۴۷ء میں شائع ہوا۔

NOT FOR SALE

مرکبات:

مرکب کے لغوی معنی ہیں: ترکیب دیا ہوا، ملایا ہوا۔ قواعد کی رو سے مرکبات سے مراد دو یا دو سے زائد کلمات کو ملانا یا ترکیب دینا ہے۔ مرکبات کی دو اقسام ہیں:

مرکب تام: وہ مرکب جس سے سننے والا پورا مطلب سمجھ سکے۔ مثلاً

ا۔ چاند اور تارے آسمان پر چمکتے ہیں۔ ۲۔ عمیر ذہین لڑکا ہے۔

مرکب ناقص: وہ مرکب جس سے سننے والا پورا مطلب نہ سمجھ سکے۔ مثلاً

ا۔ چاند اور تارے ۲۔ ذہین لڑکا۔

مرکب ناقص کی کئی اقسام ہیں۔ جیسے:

مرکبِ اضافی، مرکبِ توصیفی، مرکب عطفی، مرکب جاری وغیرہ

سرگرمیاں

ا۔ طلبہ فریضہ حج کی ادائیگی پر مختصر نوٹ لکھیں۔

۲۔ طلبہ اپنے کسی سفر کی روداد کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

ا۔ طلبہ کو حج کے فضائل اور مناسکِ حج کی تفصیلات بتائیں۔

۲۔ طلبہ کو (حجاز مقدس) مکہ معظمہ اور مدینہ منوّرہ کے مقدس مقامات کے متعلق تفصیل سے بتائیں۔

۳۔ طلبہ کو سفر کی روداد لکھنے کا طریقہ سکھائیں۔

NOT FOR SALE

awazeinqilab.com

حکیم محمد سعید

ولادت: ۱۹۲۰ء // وفات: ۱۹۹۸ء

حکیم محمد سعید دہلوی ۹ر جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ چھوٹی عمر میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا تو بڑے بھائی حکیم عبدالحمید نے ان کی تعلیم و تربیت پر بھرپور توجہ دی۔ پہلے قرآن مجید حفظ کیا۔ پھر عربی، فارسی اور انگریزی پڑھی۔ ۱۹۳۶ء میں آیور ویدک اور یونانی طبیہ کالج دہلی میں داخلہ لیا۔ ۱۹۳۹ء میں طب کا اعلیٰ امتحان پاس کیا۔ ان کے والدِ محترم نے ۱۹۰۶ء میں ہمدرد دواخانے کی بنیاد رکھی تھی۔ اِس کا انتظام ان کے بڑے بھائی کرتے تھے۔ انھوں نے دواخانے میں بھائی کا ہاتھ بٹانا شروع کیا۔

۹ر جنوری ۱۹۴۸ء کو کراچی آگئے اور اپنی غیر معمولی انتظامی صلاحیتوں سے کام لیتے ہوئے ہمدرد کو ایک ایسا ادارہ بنا دیا جس کی نظیر اسلامی دنیا میں شاید ہی مل سکے۔ ہمدرد دواخانہ (وقف) ہمدرد فاؤنڈیشن، طبیہ کالج، ہمدرد مطب، ہمدرد لائبریری اور ہمدرد یونیورسٹی کا قیام ان کی کوششوں کا نتیجہ ہے۔

انھوں نے بہت سے ممالک کی سیاحت کی۔ کافی تعداد میں اردو اور انگریزی کتابوں کے مصنف ہیں۔ جن میں سفرنامے، طب اور اخلاقیات سے متعلق کتابیں شامل ہیں۔ انھیں ۱۹۹۸ء میں کراچی میں شہید کر دیا گیا تھا۔

تصانیف یورپ نامہ، جرمنی نامہ، درونِ روس دید و شنید، عجائباتِ جسمِ انسانی، مقالاتِ شامِ ہمدرد، ابن الہیثم، اخلاقیاتِ نبویؐ، خودی، ایک مسافر چار ملک، تذکارِ محمدؐ، میڈیسن اِن چائنا اور ہیلتھ آف نیشن وغیرہ۔

NOT FOR SALE

استنبول

حاصلاتِ تعلم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ سُن کر بات (نثر) کے سیاق و سباق تک رسائی حاصل کر سکیں۔
۲۔ ادبی اور علمی تحریروں میں مجازی اور اصطلاحی امتیاز کے ساتھ علم بیان کو ملحوظ رکھ کر پڑھ سکیں۔
۳۔ مضمون لکھتے ہوئے جامع انداز میں تمام پہلوؤں کا احاطہ کر سکیں۔
۴۔ زندگی کی بنیادی ضرورتوں کے لیے متعلقہ محکمہ میں درخواست لکھ کر بھیج سکیں۔
۵۔ مختلف اصنافِ سخن کے لحاظ سے فن پاروں کو سمجھ سکیں۔

استنبول ترکی کا ایک شہر ہے۔ استنبول کے شہر پر مسلمانوں کا پہلا حملہ ۶۷۲ء میں ہوا تھا۔ لیکن وہ سا
سال تک محاصرے کے بعد ناکام واپس ہوئے۔ اس محاصرے کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں جلیل القدر صحا
حضرت ایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ شریک تھے۔ اسی مہم کے دوران ان کا انتقال ہوا اور وہ استنبول می
مدفون ہوئے۔

استنبول (قسطنطنیہ) کی فتح مراد ثانی کے بیٹے محمد ثانی کے لیے، جسے محمد فاتح بھی کہا جاتا ہے، مقدر ہو چ
تھی۔ سلطان محمد فاتح نے ۱۴۵۲ء میں استنبول پر پوری منصوبہ بندی کے ساتھ حملہ کیا۔ ۲۹ مئی ۱۴۵۳ء کو استنبول
مسلمانوں کا مکمل قبضہ ہو گیا۔ سلطان فاتحانہ انداز سے شہر میں داخل ہوا اور سب سے پہلے اس نے ایا صوفیہ میں
کی نماز پڑھی۔

جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو یہاں کے لوگ دور نکل گئے۔ ان کا خیال تھا کہ جب فاتحین یہ
پہنچیں گے تو آسمان سے ایک فرشتہ اتر کر اُن کو واپس دھکیل دے گا۔ سلطان محمد فاتح گھوڑے سے اتر کر کلیسا کے ا
داخل ہوا اور اس نے وہیں نماز ادا کی۔

NOT FOR SALE

مسلمانوں نے اس میں بہت سی تعمیرات کا اضافہ کیا۔ دیواروں اور چھتوں کی پچی کاری پر سرمئی قلعی کروادی گئی۔ جن دیواروں پر بُت بنے ہوئے تھے انہیں منہدم کر کے نئی دیوار بنوادی گئی۔ سلطان محمد نے ایک بلند مینار تعمیر کروایا۔ سلیم ثانی نے شمال کی جانب دوسرا مینار بنوایا، مراد ثالث نے باقی دو مینار اور مرمت کا سارا کام مکمل کروایا۔ اس نے صدر دروازے کے پاس اندر کی طرف سنگِ جراحت کی دو بڑی بڑی نالیاں بنوائیں اور دو بڑے چبوترے تعمیر کرائے۔ جن پر بیٹھ کر قرآن پاک کی تلاوت کی جاتی تھی۔

ایا صوفیہ کے برابر قبرستان ہی میں اکثر عثمانی حکمرانوں کے مزار واقع ہیں۔ سلطان مراد رابع نے مسجد کی خالی دیواروں پر مشہور خطاط مصطفیٰ چلپی سے بڑے بڑے سنہری حروف میں آیاتِ قرآنی لکھوائیں۔ محمود اوّل نے ۱۷۵۴ء میں وسیع چھت کا سلطانی راستہ، ایک خوبصورت فوارہ، ایک مدرسہ اور شمال میں ایک وسیع دارالطعام بنوایا، نیز مسجد میں ایک بیش قیمت کتب خانہ قائم کیا۔

استنبول یا قسطنطنیہ کی ایک خاصیت یہ بھی ہے کہ اسے مساجد کا شہر کہا جاتا ہے، جہاں عثمانی عہد کا طرزِ تعمیر اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ یوں تو پورے شہر میں تقریباً پانچ سو مساجد ہیں لیکن اسلامی فنِ تعمیر کا اعلیٰ نمونہ سلیمانیہ مسجد ہے۔

دو تین سال پہلے میں ترکی حکومت کی دعوت پر آیا تھا۔ کویت میں قائم مرکزِ طبِ اسلامی کے زیرِ اہتمام استنبول میں تیسری طبِ اسلامی کانفرنس ہوئی تھی۔ ترکی کے وزیرِ اعظم جناب تُرگت اوزال ہمارے میزبان تھے۔ ہم سن مندوبین ان کے ساتھ سلیمانیہ میں نمازِ جمعہ ادا کرنے آئے تھے۔ تمام مندوبین کے لیے اوّل صف میں انتظام تھا۔ ہزارہا نمازی تھے۔ مسجد کھچا کھچ بھری تھی۔ خطبۂ جمعہ آدھا عربی اور آدھا ترکی زبان میں تھا۔ جب نمازِ جمعہ ختم ہوئی تو اعلان کیا گیا کہ "مندوبین کے لیے راستہ دے دیں"۔

ذرا سا یہ اعلان ہوتے ہی منبر سے دروازے تک چار فیٹ کا راستہ بن گیا۔ نمازی دو رویہ کھڑے ہو گئے۔ ایک انسان اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہم سب مندوبین نہایت اطمینان سے باہر آ گئے۔ یہ تنظیم کی بات ہے۔ تُرک اب دنیا کی نہایت شائستہ اور منظم قوم بن چکے ہیں۔ ان کا یہ ڈسپلن ان کو دنیا کی بڑی قوم بنا رہا ہے۔

اس مسجد کی تعمیر سلطان سلیمان کی ایما پر فنِ تعمیر کے مشہور ماہر معمار جناب محترم سنان کے ہاتھوں ہوئی۔ اس کا سنگِ بنیاد ۱۵۵۰ء میں رکھا گیا اور ۱۵۵۷ء میں اس کی تعمیر پایۂ تکمیل کو پہنچی۔ یہ مسجد تُرکوں کے فنِ تعمیر اور ان کی نفاست پسندی کا حسین مُرقّع ہے۔

سلیمانیہ سے مُلحق ایک بڑا کتب خانہ ہے۔ یہاں مخطوطات کا سب سے بڑا ذخیرہ محفوظ ہے۔ اندازے کے مطابق ایک لاکھ قلمی کتابیں یہاں ہیں اور نہایت ترتیب و تنظیم سے رکھی ہوئی ہیں۔ استنبول کے عجائب خانوں میں توپ کاپی کی حیثیت شُہرہ آفاق ہے۔ یہاں رومی، بزنطینی اور عثمانی عہد کی ہزاروں لاکھوں قیمتی اشیاء رکھی گئی ہیں، اس میں عثمانی سلاطین کے آثار، جواہرات، ملبوسات اور دیگر اشیائے آرائش و تزئین کے علاوہ چینی، جاپانی، عربی اور یورپی عجائب بھی رکھے گئے ہیں۔

توپ کاپی میں آثارِ قدیمہ کے ایک عجائب گھر کے علاوہ فوجی عجائب خانہ بھی علیحدہ موجود ہے، جو "اوقاف" کہلاتا ہے۔ اسلامی ترکی آرٹ، ادب اور نقاشی نیز مصوری کے بھی حیرت انگیز نمونے موجود ہیں۔ اسلامی علوم و فنون اور ثقافت کو آگے بڑھانے میں سابقہ ترک، بالخصوص عُثمانی حکمرانوں کا کردار بہت نمایاں ہے۔ انھی کے علمی ذوق کی وجہ سے استنبول کا عجائب خانہ توپ کاپی، جہاں نوادر اور آثارِ قدیمہ کا مشہورِ عالم مرکز بنا، وہاں علم و فن کے بیش بہا ذخیروں اور نادر کتابوں کا بھی مخزن بنا۔ نوادرِ کتب اور اہم مخطوطات کے الگ شعبے ہیں۔ بعض ایسی کتابیں بھی وہاں موجود ہیں کہ جن کا ایک ہی نسخہ دنیا میں موجود ہے اور وہ نسخہ توپ کاپی میں ہے۔

فنِ خطاطی کے مظہر کی حیثیت سے قرآنِ کریم کی وہ آیات توپ کاپی میں موجود ہیں جو مشہور خطاطوں کی ہنرمندی کے نمونوں کی حیثیت سے عالمی شہرت رکھتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وسلم کی سیرت و سوانح پر نسخ میں ایک اہم مخطوطہ بھی توپ کاپی میں موجود ہے۔

استنبول آ کر مسجدِ سلطان احمد کیسے نہ دیکھتے! ہمیں تو نمازِ ظہر بھی ادا کرنی تھی۔ یہاں سے ہم مسجد سلطان احمد آ گئے۔ سلطان احمد، سلطان محمد ثالث کا بڑا لڑکا تھا، چودہ سال کی عمر میں تخت نشیں ہوا۔ نوعمری کے باوجود ایک پختہ کار اور صاحبِ تدبّر بادشاہ تھا۔ سلطان احمد نے ۲۸ سال کی عمر میں ۲۲ نومبر ۱۶۱۷ء کو وفات پائی۔

awazeinqilab.com

اور قدیم زمانے میں وہی جامع بہت ممتاز ہے
یہ اس کی بنوائی ہوئی شاندار مسجد ہے، جو شاہی مساجد میں
سلطان احمد نے اپنی وفات کے سال مشہور ہے۔ اسے
مسجد تھی۔ آج جامع سلطان احمد اپنے چھے میناروں کی وجہ سے
اب ہم استنبول کی سیر کے آخری
مکمل کیا۔ مسجد تاریخی حیثیت کی حامل ہے۔ یہاں سب نے وضو کیا اور نماز ادا کی۔

مرحلے میں آ گئے تھے۔
حضرت ابو ایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے مزار پر ضرور آتا ہوں۔
میں ترکی جب بھی آتا ہوں، حضرت ابو ایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا
آج بھی ہم پانچوں سوار آخر میں مزارِ اقدس پر حاضر ہوئے۔
مرتبۂ علم ایسا تھا کہ صحابۂ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مسائل کی تحقیق میں ان ہی سے رجوع کرتے تھے۔
حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت میں تین چیزیں نمایاں تھیں: جوشِ ایمانی، حق گوئی اور
آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے بے کراں محبت وعقیدت۔ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک
مرتبہ ومقام یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے میزبان رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم
مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا قیام اس کے یہاں ہو، لیکن کارکنانِ
قضاوقدر نے اس شرف کے لیے جس گھر کو دیکھا وہ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاشانہ تھا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی بشارت کی روشنی میں فتح قسطنطنیہ کے لیے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے دورِ حکومت میں قسطنطنیہ پر فوج کشی ہوئی تو حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس گروہ میں شریک تھے۔ سفرِ جہاد میں ایک وبا پھیل گئی۔ مجاہدین کی بڑی تعداد اس وبا کا شکار ہوئی۔ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ بھی علیل ہوئے۔ ان کا انتقال ہوا تو مسلمان مجاہدین نے رات کے وقت قسطنطنیہ (استنبول) کی دیواروں کے نیچے دفن کر دیا۔ آج یہی مقبرہ دنیا کے مسلمانوں کے لیے مرجعِ خیر و برکت بنا ہوا ہے۔ اب ہمیں اتاترک ہوائی میدان جانا تھا۔ اپنا سامان لینا تھا۔ اَدنا جانے والے جہاز میں بیٹھنا تھا۔ مجھے خوشی اس بات کی ہے کہ میں نے اپنے ان دوستوں کو آٹھ گھنٹے میں استنبول کی سیر کرادی۔

(سعید سیاح ترکی میں)

NOT FOR SALE

مشق

۱۔ درست الفاظ کی مدد سے خالی جگہ پُر کریں۔

ا۔ اس محاصرے کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ اس میں جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ______ شریک تھے۔

ب۔ ان کا خیال تھا کہ جب فاتحین یہاں پہنچیں گے ______ اُن کو واپس دھکیل دے گا۔

ج۔ سلطان مراد رابع نے مسجد کی خالی دیواروں پر ______ لکھوائیں۔

د۔ ایک انسان اپنی جگہ سے نہ ہلا اور ہم سب ______ باہر آ گئے۔

ہ۔ اسلامی علوم وفنون اور ثقافت کو آگے بڑھانے میں ______ کا کردار بہت نمایاں ہے۔

و۔ آج یہی مقبرہ دنیا کے مسلمانوں کے لیے ______ بنا ہوا ہے۔

۲۔ جب مسلمانوں نے قسطنطنیہ کو فتح کیا تو یہاں کے لوگ دُور نکل گئے، کیوں؟

۳۔ قسطنطنیہ کی فتح کے بعد فنِ تعمیر میں مسلمانوں کے یادگار کاموں کو اجاگر کیجیے۔

۴۔ توپ کاپی کے عجائب گھر کی کوئی سی چار یادگار اشیا کا تذکرہ کیجیے۔

۵۔ حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کی نسبت سے کون سے اعزازات حاصل ہیں؟

۶۔ سیاق وسباق کا حوالہ دے کر درج ذیل اقتباس کی وضاحت کیجیے۔

حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مرتبۂ علم ایسا تھا کہ صحابۂ کرامؓ مسائل کی تحقیق میں ان ہی سے رجوع کرتے تھے۔ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شخصیت میں تین چیزیں نمایاں تھیں: جوشِ ایمانی، حق گوئی اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم سے بے کراں محبت وعقیدت۔ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایک مرتبہ ومقام یہ ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کے میزبان رہے ہیں۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تو ہر شخص چاہتا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا قیام اس کے یہاں ہو، لیکن کارکنانِ قضاوقدر نے اس شرف کے لیے جس گھر کو دیکھا وہ حضرت ابوایوّب انصاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا کاشانہ تھا۔

NOT FOR SALE

۷۔ محاورے کے حوالے سے جملوں کو درست کریں۔

ا۔ آپ کا حکم سر ماتھے پر۔
ب۔ مسجد میں سوئی دھرنے کی جگہ نہ تھی۔
ج۔ تم کو تو جیسے بچھو سونگھ گیا ہے۔
د۔ سانپ کو دیکھ کر ہمارے ہاتھوں کے کوّے اُڑ گئے۔
ہ۔ وہ تو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا۔

۸۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو جائے۔

مرتبہ و مقام۔ مندوبین۔ جلیل القدر۔ ملبوسات۔ شُہرہ آفاق۔ سلاطین۔ علوم و فنون۔ محاصرہ۔

۹۔ درج ذیل واحد کی جمع اور جمع کے واحد لکھیں۔

لباس۔ فاتحین۔ شریک۔ جذبات۔ تعبیر۔ حروف۔ مزار۔ مراکز۔ مندوبین۔ مقبرہ۔

۱۰۔ درج ذیل جملوں کو درست کریں۔

ا۔ روشن دان کو بند کردو۔
ب۔ کسی کے مذہب پر نقطہ چینی نہ کرو۔
ج۔ عورتیں بھی تحریکِ آزادی میں حصہ لیتیں تھیں۔
د۔ آپ کی مدد ضرور کیا جائے گی۔
ہ۔ ابرار نے سالن کے ساتھ روٹی کھایا۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ حکیم محمد سعید کی طبی خدمات پر مختصر نوٹ لکھیں۔
۲۔ طلبہ اپنے علاقے کی میونسپل کمیٹی کے چیئرمین کے نام محلّہ کی صفائی کے لیے فوری اقدامات اُٹھانے کی درخواست لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو بصری معاونات جیسے ٹی وی، کمپیوٹر یا پروجیکٹر کے ذریعے حکیم محمد سعید صاحب کی زندگی پر کوئی ڈاکومنٹری دکھائی جائے۔
۲۔ طلبہ کو حکیم محمد سعید کی طبی خدمات تفصیل سے بتائیں۔
۳۔ طلبہ کو مختلف محکموں کے افسران کے نام درخواست لکھنے کا طریقہ سکھائیں۔

مرزا اسد اللہ خان غالب

ولادت: ۱۷۹۷ء // وفات: ۱۸۶۹ء

مرزا اسد اللہ غالب

مرزا اسد اللہ خان غالب آگرہ میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں دلی آئے اور اسی شہر کو وطن بنا لیا۔ مرزا غالب کے بزرگ فوج سے تعلق رکھتے تھے۔ وہ بہادر شاہ ظفر کے دربار سے مُؤرّخ اور پھر استادِ شاہ کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ بہادر شاہ ظفر نے انھیں نجم الدولہ، دبیرالملک، نظام جنگ کے خطابات عطا کیے تھے۔ ۱۸۵۷ء کے انقلاب نے مرزا کو بہت دل برداشتہ کیا اور ان کی ملازمت بھی ختم ہوگئی۔ اس دور میں نواب یوسف علی خان والئی رام پور نے ان کی سرپرستی کی اور انھیں اپنا استاد بنالیا۔

مرزا غالب اردو کے عظیم المرتبت شاعر اور صاحبِ طرز نثر نگار سمجھے جاتے ہیں۔ اگرچہ انھوں نے نثر میں کوئی کتاب نہیں لکھی، لیکن ان کے خطوط اردو نثر میں ایک یادگار حیثیت رکھتے ہیں۔ مرزا کے خطوط بے تکلفی، شوخی، رواداری، انسان دوستی، خلوص و محبت اور نثر کے نئے انداز کے آئینہ دار ہیں۔ ان خطوں کی وجہ سے اردو نثر میں فطری بے ساختگی اور بے تکلفی کے انداز کا آغاز ہوا اور پرانے دور کی مشکل قافیہ پیمائی ختم ہوئی۔ غالب نے خط نہیں لکھے باتیں کی ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ جیتا جاگتا غالب سامنے بیٹھا مزے مزے کی باتیں کررہا ہے۔ مرزا کے خطوط نے بعد کے تمام نثر نگاروں کی رہنمائی کی ہے۔

مرزا غالب کے خطوط کے متعدد مجموعے شائع ہوئے ہیں۔ ان میں اردوئے معلّٰی، عودِ ہندی اور مکاتیبِ غالب بہت مشہور ہیں۔

مکاتیب

مرزا اسد اللہ خان غالبؔ

حاصلاتِ تعلّم

اس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہوجائیں گے کہ وہ:

۱۔ سُن کر بات کے لُبِ لباب کے ادراک کا تجزیہ کر کے اپنے ردِّعمل کے اظہار کے قابل ہوسکیں۔

۲۔ اخبارات، رسائل وجرائد میں خبروں، فیچروں، اداریوں، رپورٹوں، اشتہاروں اور خطوط بنام مدیر کو پڑھ کر سمجھ سکیں اور اپنی رائے دے سکیں۔

۳۔ مترادف (ہم معنی) اور متضاد الفاظ کو سمجھ سکیں۔

۴۔ اپنی تحریروں کو مختلف اندازِ بیان یا محضر کے لحاظ سے تحریر کرنا سیکھ سکیں۔

(۱)

میر مہدی مجروح کے نام

مارڈالا یار تیری جواب طلبی نے۔ اس چرخِ کج رفتار کا بُرا ہو۔ ہم نے اس کا کیا بگاڑا تھا؟ ملک و مال، جاہ وجلال کچھ نہیں رکھتے تھے۔ ایک گوشہ و توشہ تھا، چند مفلس، بے نوا ایک جگہ فراہم ہوکر کچھ ہنس بول لیتے تھے۔

شعر

سو بھی نہ تو کوئی دم دیکھ سکا، اے فلک
اور تو یاں کچھ نہ تھا ایک مگر دیکھنا

یہ شعر میر دردؔ کا ہے۔ کل سے مجھ کو میکش بہت یاد آتا ہے۔ سو صاحب! اب تم ہی بتاؤ کہ میں تم کو کیا لکھوں؟ وہ صحبتیں اور تقریریں جو یاد کرتے ہو اور تو کچھ بن نہیں آتی، مجھ سے خط پر خط لکھواتے ہو۔ آنسوؤں سے پیاس نہیں بجھتی۔ یہ تحریر تلافی اس تقریر کی نہیں کرسکتی۔ بہرحال کچھ لکھتا ہوں۔ دیکھو! کیا لکھتا ہوں۔

سنو! پنشن کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال معلوم نہیں۔ دیر آید درست آید۔

بھئی! میں تم سے بہت آزردہ ہوں۔ میرن صاحب کی تندرستی کے بیان میں نہ اظہارِ مسرت، نہ مجھ کو تہنیت، بلکہ اس طرح سے لکھا گیا ہے کہ گویا ان کا تندرست ہونا تم کو ناگوار ہوا ہے۔ لکھتے ہو کہ ''میرن صاحب ویسے ہی ہوگئے جیسے آگے تھے۔ اچھلتے، کودتے پھرتے ہیں''۔ اس کے یہ معنی کہ ''ہے ہے کیا غضب ہوا، یہ کیوں اچھے ہوگئے''۔

یہ باتیں تمھاری ہم کو پسند نہیں آتیں۔ تم نے میرؔ کا وہ مقطع سنا ہوگا۔ بہ تغیّرِ الفاظ لکھتا ہوں۔

کیوں نہ میرن کو مغتنم جانیں؟
دِلّی والوں میں اک بچا ہے یہ

میر تقی میرؔ کا مقطع یوں ہے:

میرؔ کو کیوں نہ مغتنم جانیں؟
اگلے لوگوں میں اک رہا ہے یہ

''میرؔ'' کی جگہ ''میرن'' اور ''رہا'' کی جگہ ''بچا'' کیا اچھا تصرّف ہے۔

ارے میاں! تم نے کچھ اور بھی سنا، کل یوسف مرزا کا خط لکھنؤ سے آیا۔ وہ لکھتا ہے کہ نصیر خان عرف نواب جان والدان کا دائم الحبس ہوگیا۔ حیران ہوں کہ یہ کیسی آفت آئی۔ یوسف مرزا تو جھوٹ کاہے کو لکھے گا۔ خدا کرے اس نے جھوٹ سنا ہو۔

میر سرفراز حسین کو دعا پہنچے۔

(غالبؔ، اپریل ۱۸۵۹ء)

awazeinqilab.com

(۲)

علاؤ الدین علائی کے نام

جانِ غالب! تم تو ثمرِ نورس ہو۔ اس نہال کے۔ جس نے میری آنکھوں کے سامنے نشو ونما پائی ہے اور میں ہوا خواہ و سایہ نشین اس نہال کا رہا ہوں۔ کیوں کر تم مجھ کو عزیز نہ ہوگے؟ رہی دید وادید، اس کی دو صورتیں ہیں، تم دلی میں آؤ یا میں لوہارو آؤں۔ تم مجبور میں معذور۔ خود کہتا ہوں کہ میرا عذر زنہار مسموع نہ ہو جب تک نہ سمجھ لو کہ میں کون ہوں اور ماجرا کیا ہے؟

سنو! عالَم دو ہیں، ایک عالَمِ اَرواح اور دوسرا عالَمِ آب و گِل۔ حاکم ان دونوں عالموں کا وہ ایک۔ ہر چند قاعدۂ عام یہ ہے کہ عالَمِ آب و گِل کے مجرم عالَمِ ارواح میں سزا پاتے ہیں لیکن یوں بھی ہوا ہے کہ عالَمِ ارواح کے گنہگار کو دنیا میں بھیج کر سزا دیتے ہیں۔ چنانچہ میں آٹھویں رجب ۱۲۱۲ (۳) ہجری میں روبکاری کے واسطے یہاں بھیجا گیا۔ تیرہ برس حوالات (۴) میں رہا۔ ۷/رجب ۱۲۲۵ ہجری کو میرے واسطے حکمِ دوامِ حبس (۵) صادر ہوا۔ ایک بیڑی (۶) میرے پاؤں میں ڈال دی اور دلی شہر کو زِندان مقرر کیا اور مجھے اس زندان میں ڈال دیا۔ فکرِ نظم و نثر کو مشقت ٹھہرایا۔ برسوں بعد جیل خانے سے بھاگا۔ تین برس بلادِ شرقیہ میں پھرتا رہا۔ پایانِ کار مجھے کلکتہ سے پکڑ لائے اور پھر اسی محبس میں بٹھا دیا۔ جب دیکھا کہ یہ قیدی گریز پا ہے، دو بیڑیاں (۷) اور بڑھا دیں۔ پاؤں بیڑی سے فگار، ہاتھ ہتھکڑیوں سے زخم دار، مشقت مقرری اور مشکل ہوگئی۔ طاقت یک قلم زائل ہوئی۔ ایک سال بیڑی کو زاویۂ زنداں میں چھوڑ مع دونوں ہتھکڑیوں کے بھاگا۔

میرٹھ، مراد آباد ہوتا ہوا رامپور پہنچا۔ کچھ دن کم دو مہینے وہاں رہا تھا کہ پھر پکڑا آیا۔ اب عہد کیا کہ پھر نہ بھاگوں گا۔ بھاگوں گا کیا؟ بھاگنے کی طاقت بھی تو نہ رہی۔ حکمِ رہائی (۸) دیکھئے کب صادِر ہو۔ ایک ضعیف سا احتمال ہے کہ اسی ماہ ذی الحجہ ۱۲۷۷ ہجری میں چھوٹ جاؤں۔ بہر تقدیر بعد رہائی کے تو آدمی سوائے اپنے گھر کے اور کہیں نہیں جاتا۔ میں بھی بعدِ نجات سیدھا عالَمِ ارواح کو چلا جاؤں گا۔

(غالب، جون ۱۸۶۱ء)

NOT FOR SALE

۱۔ میر مہدی مجروح میر حسن نگار کے بیٹے تھے۔ وہ غالب کے عزیز ترین شاگرد تھے۔ ۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں دلی چھوڑ کر پانی پت چلے گئے اور پھر الور میں ملازمت اختیار کی۔

(۲) نواب علاؤ الدین احمد خان علائی غالب کے شاگرد اور لوہارو کے رئیس تھے۔ وہ عربی اور فارسی کے بڑے عالم اور خوش ذوق شاعر تھے۔ وہ ترکی زبان کے بھی عالم تھے۔

(۳) مراد پیدائش مطابق ۲۷ دسمبر ۱۷۹۷ء

(۴) مراد ہے آگرہ میں قیام۔

(۵) مراد ہے شادی جو ۱۹/اگست ۱۸۱۰ء کو ہوئی۔

(۶) اس سے بیوی مراد ہے جس کا نام امراؤ بیگم تھا جو نواب الٰہی بخش خان کی بیٹی تھی۔

(۷) اس سے مراد ہے جوانی میں وفات پانے والے عارف کے دو بچے باقر علی خان اور حسین علی خان۔ جن کی پرورش غالب نے کی۔

(۸) اس سے موت مراد ہے۔

مشق

۱۔ متن کو مدِ نظر رکھ کر خالی جگہوں کو مناسب لفظ سے پُر کریں۔

ا۔ غالب کا پہلا خط ______ کے نام ہے۔

ب۔ علاؤ الدین علائی غالب کے ______ تھے۔

ج۔ کل سے مجھ کو ______ بہت یاد آتا ہے۔

د۔ سُنو! ______ کی رپورٹ کا ابھی کچھ حال معلوم نہیں۔

ہ۔ عالمِ آب و گل کے مجرم ______ میں سزا پاتے ہیں۔

و۔ ایک بیڑی میرے پاؤں میں ڈال دی اور ______ کو زندان مقرر کیا۔

Not For Sale

۲۔ ”چرخِ کج رفتار“ سے کیا مراد ہے؟

۳۔ ”غالب کے دوستوں کی محفل برہم ہوگئی“۔ اس پر جس انداز سے وہ افسوس کر رہے ہیں۔ اسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۴۔ غالب نے میر مہدی مجروح سے آزردگی کا اظہار کس بات پر کیا؟

۵۔ علاؤ الدین علائی کے نام خط میں غالب نے اپنے آپ کو ایک قیدی سے کیوں تشبیہ دی؟

۶۔ غالب کی خطوط نگاری کی خصوصیات پر ایک پیراگراف لکھیں۔

۷۔ درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں۔

بے نوا۔ مسرت۔ عالم۔ قاعدہ۔ حبس۔ مشقت۔ ضعیف۔ گمان۔ زندان۔

۸۔ آپ اپنے دوست کے نام امتحان میں کامیابی پر مبارکباد کا خط لکھیں۔ *

مکتوب نگاری:

• مکتوب کے لغوی معنی ”لکھا گیا یا تحریر“ کے ہیں۔ جبکہ اصطلاحی زبان میں مکتوب سے مراد خط ہے۔ یہ عربی زبان کا لفظ ہے خط لکھنے والے کو ”کاتب“ اور جس کو خط لکھا جاتا ہے اُسے ”مکتوب الیہ“ کہتے ہیں۔ مکتوب نگاری سے مراد اپنے دُور رہنے والے رشتہ داروں، دوستوں، سرکاری اور غیر سرکاری افسران کو اپنی بات تحریری صورت میں پہنچانا ہے۔ اُردو نثر میں ادبی خطوط بہت اہمیت رکھتے ہیں بلکہ اُردو ادب میں جدید نثر نگاری کی بنیاد ہی غالبؔ کے خطوط سے پڑی ہے۔ کئی ایک ادبا کے خطوط اُردو نثر میں قابلِ قدر خزینے مانے جاتے ہیں۔ ان ادبا میں علاّمہ اقبالؒ، پطرس بخاری، سر سید احمد خان، ابوالکلام آزاد، اکبر الہ آبادی، مولانا شبلی نعمانی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔

خطوط تین طرح کے ہوتے ہیں۔

ا۔ نجی ۲۔ کاروباری ۳۔ دفتری یا سرکاری

Not For Sale

* نجی خطوط میں خط کے مختلف حصے درج ذیل ہیں۔

ا۔ مقام و تاریخ ب۔ القاب و آداب ج۔ نفسِ مضمون د۔ خاتمہ

مختلف حصوں کی نشاندہی یوں ہے۔

ا۔ مقام کا نام، کاغذ کے دائیں گوشے میں لکھا جاتا ہے۔ اس کے نیچے ایک لکیر ڈال کر تاریخ لکھی جاتی ہے۔

ب۔ القاب و آداب، مکتوب الیہ کے درجے اور شان کے مطابق لکھے جاتے ہیں۔ جیسے والد کے لیے پیارے ابا جان، اجنبی کے لیے محترمی و مکرمی وغیرہ۔

ج۔ نفسِ مضمون " جملے چھوٹے، برجستہ، موزوں اور شگفتہ ہوں۔ تحریر صاف اور بے ساختہ ہو۔ املا کی غلطیاں نہ ہوں۔

د۔ خاتمے پر ”والسلام“ کاغذ کے نصف سے بائیں طرف لکھا جاتا ہے۔ اس کے نیچے اپنا نام لکھا جاتا ہے۔

سرگرمیاں

ا۔ غالبؔ کے خطوط اُن کی زندگی کے آئینہ دار ہیں، اس حوالے سے نوٹ اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ اخبار کے ایڈیٹر کے نام خط لکھیں جس میں آپ کے سکول میں منعقدہ یومِ اقبالؒ کی تقریب کی کارروائی کو شائع کرنے کی استدعا کی گئی ہو۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

ا۔ طلبہ کو خط کے اجزا اور اقسام عملی طور پر سمجھائیں۔

۲۔ طلبہ کو غالبؔ کے کسی بھی مجموعۂ مکاتیب سے ایسے خطوط پڑھ کر سنائیں، جس سے غالبؔ کے دَور اور اُن کی زندگی کے حالات کی عکاسی ہوتی ہو۔

Not For Sale

awazeinqilab.com

رشید احمد صدیقی

ولادت: ۱۸۹۴ء // وفات: ۱۹۷۷ء

رشید احمد صدیقی مریا ہو ضلع جونپور میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام عبدالقدیر تھا جو محکمۂ پولیس سے وابستہ تھے۔ فارسی، عربی اور مذہبی تعلیم گھر پر حاصل کرنے کے بعد مقامی سکول میں داخل ہوئے۔ میٹرک کرنے کے بعد کچھ عرصہ ملازمت کی، مزید تعلیم کے لیے علی گڑھ یونیورسٹی چلے گئے اور ہمیشہ کے لیے اس سے وابستہ ہو گئے۔

رشید احمد صدیقی پر اردو ادب اور علی گڑھ، دونوں نے انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔ وہ علی گڑھ کی شائستگی کے نمائندہ تھے۔ ان کے ہاں ایک تہذیبی رکھ رکھاؤ ملتا ہے۔ انھیں ایک ممتاز طنز نگار اور مزاح نگار کہا جاتا ہے۔ انھوں نے مزاح سے احساس زیاں پیدا کرنے کا کام لیا ہے۔ ان کا مزاح ایک رچی ہوئی تہذیبی شخصیت کا مزاح ہے۔ ان کے ہاں نفاست اور شائستگی تو ہے ہی، پیچیدہ فلسفیانہ مباحث بھی زیرِ بحث آتے رہتے ہیں۔ لیکن ایک اہم بات یہ ہے کہ ان کے موضوعات لامحدود نہیں بلکہ وہ ایک دائرے میں رہنا پسند کرتے ہیں۔ اجنبی موضوعات ان کے لیے کوئی کشش نہیں رکھتے۔ رشید احمد صدیقی ایک اہم نقاد بھی ہیں۔ ان کے تنقیدی مضامین میں بھی ایک جاندار اسلوب نظر آتا ہے۔ یہ وہ اسلوب ہے جو دانش گاہ علی گڑھ کے باسیوں کی انفرادیت ہے۔

تصانیف ہم نفسان رفتہ، گنج ہائے گراں مایہ، مضامین رشید، طنزیات و مضحکات، خندان، آشفتہ بیانی، غالب کی شخصیت اور شاعری، ہمارے ذاکر صاحب، علی گڑھ کی مسجدِ قرطبہ وغیرہ۔

مکتوب (۱)

رشید احمد صدیقی بنام سید بشیر الدین

حاصلاتِ تعلم

اِس سبق کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ کسی بات یا پیغام کو سُن کر انہی الفاظ میں دُہرانے کے ساتھ اس کے حسن و قبح کا جائزہ بیان کر سکیں۔
۲۔ متن کو سمجھ کر حقائق پر مبنی سوالات کے جوابات تحریر کر سکیں۔
۳۔ پولیس رپورٹ، عدالتی مچلکے، ضمانت نامے اور مختلف فارم وغیرہ پڑھ سکیں۔
۴۔ کسی غیر مطبوعہ یا تکنیکی متن کی وضاحت / استدلال لکھ کر اور متن کی ترتیب بدل سکیں۔
۵۔ سکول اور اس سے باہر کی مطبوعات، رسالے، ویب سائیٹ وغیرہ میں اپنا کردار، تحریر، ادارت، تدوین وغیرہ فراہم کر سکیں۔
۶۔ اپنی تحریروں کو مختلف اندازِ بیان یا محضر کے لحاظ سے تحریر کرنا سیکھ سکیں۔

یکم ستمبر، ۱۹۷۴ء

ذاکر باغ، یونیورسٹی علی گڑھ۔

سید بشیر الدین مکرم! آداب۔

آپ کا کارڈ کئی دن ہوئے ملا تھا۔ آپ نے اپنے مسلسل سفر کا جو ذکر کیا، میں اس سے خوش ہوا............ ''زہے روانیِ عُمرے کہ در سفر گزرد!''

آپ مبارک باد کے مستحق ہیں کہ اس عُمر اور زمانے میں جب آدمی سفر نہیں قیام میں رہنے پر مجبور ہوتا ہے، آپ سیر و سیاحت کی نعمتوں سے بہرہ مند ہیں۔ آپ نے پُورب کی برسات کا جو نقشہ کھینچا ہے اسے پڑھ کر چونک پڑا۔ کم و بیش ۵۵۔۵۶ سال ہوئے یہی برسات کا زمانہ تھا، ڈیوٹی سوسائٹی کے وفد کے ساتھ کلکتہ،

awazeinqilab.com

مشرقی بنگال، چٹا گانگ اور برما جانے کا اتفاق ہوا تھا۔ واپس آکر "سیاحتِ برما" کے عنوان سے کالج میگزین میں ایک مضمون لکھا تھا۔ آپ نے پانی، سبزہ، بگلوں کی قطار وغیرہ کی جو تصویر کھینچی ہے وہ تقریباً ویسی ہی ہے جو مذکورہ مضمون میں ہے۔ رہا زبان کا رنگ و آہنگ وہ الٰہ آباد بنارس سے شروع ہو کر مہارشی ٹیگور کی زمین اور زبان تک جاری وساری ہے۔ اس کی حلاوت، گھلاوٹ اور نغمگی کا کیا کہنا۔ میرا خیال ہے ہندوستان کے کسی اور خطہ کی زبان ایسی نہیں ہے۔ زبان کی سلاست اور سجاوٹ اور صلابت میں اُردو کو بھی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا ہے۔

طبیعت اچھی نہیں رہتی۔ اس پر ہر روز طرح طرح کے دور اور نزدیک کے ذاتی اور قومی اور ملکی حادثات، جیسے دنیا میں اب بگاڑ کے سوا کچھ اور نہ رہ گیا ہو۔ ایسا اندیشہ رہنے لگا ہے جیسے عافیت کا دور ختم ہو چکا ہے۔ تھوڑی دیر یا دن میں معلوم ہوتا ہے کہ ایسا ہی ہو رہا ہے۔

ہر روز آس پاس کے عزیزوں، دوستوں کی ناگہانی وفات کی خبریں ملتی رہتی ہیں۔ کیسے کم عمر ہنستے بولتے، کھاتے کماتے دفعتاً لقمہ اجل! کس کس کے نام گناؤں!

خدا آپ کو اور متعلقین کو خوش اور تندرست رکھے۔ آمین۔ بیگم صاحبہ کی علالت کا افسوس ہوا۔ اس وقت نمائش کی وہ شام یاد آتی ہے۔ جب شادی کے بعد ان کو سیر کے لیے آپ وہاں لائے تھے اور میرا دفعتاً سامنا ہو گیا تو میں جھجکا۔ آپ مسکرائے اور کیا کہوں کیا ہوا!! کتنے دن گزر گئے۔

مخلص

رشید احمد صدیقی

(خطوط رشید احمد صدیقی)

۱۔ سید بشیر الدین اڑیسہ کے باشندہ تھے۔ علی گڑھ یونیورسٹی سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد وہیں بطور لائبریرین کام کرتے رہے۔ وہ رشید احمد صدیقی کے قریبی دوست تھے۔

مشق

۱۔ سید بشیر الدین کے پُورب کی برسات کے نقشے اور اپنے مضمون "سیاحتِ برما" میں رشید احمد صدیقی کو کون سی بات مشترک نظر آئی؟

۲۔ مصنف نے سید بشیر الدین کی زبان کی حلاوت کی تعریف کن الفاظ میں کی ہے؟

۳۔ مصنف کو عافیت کے دور کے ختم ہونے کا اندیشہ کیوں رہنے لگا تھا؟

۴۔ درج ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔

عافیت کا دور۔ سلاست اور سجاوٹ۔ ناگہانی موت۔ وقتِ نمائش۔

۵۔ انسان کو اپنی زندگی میں مختلف قسم کے حالات پیش آتے ہیں۔ جس طرح کا موقع و محل ہوتا ہے انسان کی گفتگو وہی لب و لہجہ اختیار کر لیتی ہے۔ کسی اچھی تحریر میں بھی یہی انداز اپنایا جاتا ہے۔ ادبی بلندی یہ ہے کہ الفاظ کا چناؤ، تراکیب کی بندش اور جملوں کی ساخت ان جذبات و احساسات کی ترجمانی کر رہی ہو جنھیں لکھاری اپنی تحریر میں دکھانا چاہتا ہے۔ مثلاً

(ا) اگر کوئی شخص حرم پاک میں اللہ تعالیٰ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگ رہا ہو تو اس کے الفاظ اور جملے ندامت کے آنسوؤں میں ڈھلے ہوئے ہوں گے۔

(ب) اگر میدان جنگ میں توپوں کی گھن گرج، طیاروں کی بمباری، آگ اور خون، مجاہدانہ نعروں کا منظر پیش کرنا ہے تو الفاظ میں جوش، جذبہ اور سپاہی کی للکار شامل ہوگی۔

(ج) اگر مناظرِ فطرت کی عکاسی کرنی ہے۔ سبزہ وگل، خوشگوار ہوا اور پرندوں کے گیتوں کا ذکر کرنا ہے تو الفاظ اور جملے ایسے ہونے چاہییں کہ پڑھنے والا فرحت محسوس کرے۔

(د) اگر تحریر میں غم کی تصویر پیش کرنی ہے تو بیان کا انداز ایسا ہو کہ پڑھنے والے کی آنکھیں پُرنم ہو جائیں۔

awazeinqilab.com

(ہ) اگر طنزیہ اور مزاحیہ تحریر پیش کرنی ہے تو الفاظ اور جملے ایسے ہوں کہ پڑھنے والے کے لبوں پر تبسم نمایاں رہے۔ طنزیہ اور مزاحیہ تحریر کی تین مثالیں یہ ہیں۔

(i) ''دوسرے ہی اوور میں بالر نے گیند ایسی کھینچ کے ماری کہ مرزا کے سر سے ایک اور منہ سے کئی آوازیں نکلیں''۔

(ii) ''کبھی آج کا کام کل پر نہیں چھوڑنا چاہیے البتہ آپ اسے پرسوں پر چھوڑ سکتے ہیں''۔

(iii) ''شرم وحیا عورت کا زیور ہے۔ غالباً اسی لیے آج کل صرف خاص خاص موقعوں پر پہنا جاتا ہے''۔

مرکبِ اضافی: اضافت اُس تعلق کو کہتے ہیں جو دو اسموں کے درمیان پایا جاتا ہے۔ جس اِسم کا تعلق ظاہر کیا جائے وہ ''مضاف'' اور جس اِسم کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے، اُسے مضاف الیہ کہتے ہیں۔ اِن دونوں کے ملنے سے مرکبِ اضافی بنتا ہے اور اِنھیں حرفِ اضافت یعنی کا، کے، کی کے ذریعے مِلایا جاتا ہے۔ اُردو میں مضاف الیہ پہلے اور مضاف بعد میں آتا ہے جبکہ فارسی میں حرفِ اضافت کی جگہ مضاف کو پہلے لا کر اُس کے نیچے زیر لگانے سے مرکب واضح ہو جاتا ہے۔ جیسے: اُردو میں ''حمیرا کی ٹوپی'' اُسید کا قلم وغیرہ اور فارسی میں گُلِ نرگس، دخترِ وطن وغیرہ۔ یہ مرکبات اُردو میں بھی اِسی طرح استعمال ہوتے ہیں۔

مرکبِ توصیفی: وہ مرکب جو صفت اور موصوف سے مل کر بنے جیسے: نیک لڑکا، ٹھنڈا پانی، نیلا آسمان وغیرہ۔ اُردو میں صفت موصوف سے پہلے آتا ہے۔

سرگرمی

۱۔ تین ایسے جملے لکھیں جن میں درج بالا انداز میں سے کسی ایک کو اپنایا گیا ہو۔

۲۔ اخبار کے مدیر کے نام خط لکھ کر ٹریفک کے مسائل اور ان کے حل کے لیے تجاویز دیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو خطوط نویسی کی مشق کرائیں۔

۲۔ طلبہ کو سکول میگزین میں لکھنے کے لیے رہنمائی اور مدد کریں۔

حصّہ نظم

نظم:

نظم کے لغوی معنی ہیں ''پرونا'' جیسے لڑی میں موتی پرونا۔ شاعری کی اصطلاح میں نظم اشعار کے اُس مجموعے کو کہتے ہیں جو کسی ایک خیال یا موضوع کے تحت لکھے گئے ہوں۔ شاعر اسی خیال یا موضوع کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ نظم کے اشعار کی تعداد متعین نہیں ہے۔ موضوعاتی لحاظ سے نظم کی کئی اقسام ہیں جن میں حمد، نعت، مرثیہ، قصیدہ وغیرہ شامل ہیں۔ نظیر اکبر آبادی نے شاعری میں نظم کو رواج دیا، بعد میں مولانا الطاف حسین حالؔی نے محمد حسین آزاؔد کے ساتھ مل کر نظم لکھنے کی تحریک چلائی۔

awazeinqilab.com

احسان دانش

ولادت: ۱۹۱۴ء // وفات: ۱۹۸۲ء

اصل نام احسان الحق اور دانش تخلص تھا۔ وہ ضلع مظفر نگر (یوپی، بھارت) میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام قاضی دانش علی تھا۔ احسان دانش نے انتہائی غربت کے ماحول میں آنکھ کھولی۔ وہ مشکل سے پرائمری تک تعلیم حاصل کر سکے۔ انھوں نے نہایت حوصلے اور ہمت سے غربت کے خلاف جہاد کیا۔ محنت مزدوری کی غرض سے لاہور آئے اور معمولی ملازمتیں کرتے رہے۔ اس کے باوجود انھوں نے کتاب سے اپنا رشتہ جوڑے رکھا۔ وہ دن کو ملازمت کرتے اور رات کو مطالعہ کرتے۔ اپنی کوششوں سے لاہور میں ایک ذاتی کتب خانہ "مکتبۂ دانش" کے نام سے قائم کیا۔

احسان دانش اس وقت سے شاعری کر رہے تھے۔ جب وہ ریلوے میں ملازم تھے۔ شوقِ مطالعہ اور ذوقِ شعر نے انھیں ایک بہترین شاعر کے روپ میں ڈھالا اور ایک وقت ایسا بھی آیا کہ برصغیر کا کوئی بھی مشاعرہ ان کے بغیر نامکمل سمجھا جاتا تھا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ انھوں نے فنِ شاعری میں کسی کی شاگردی اختیار نہیں کی۔ ان کی شاعری انسان دوست شاعری ہے۔ ان کے اہم موضوعات ظلم وافلاس کے خلاف جہاد اور مزدور طبقے کی حالتِ زار کا بیان ہے۔ اس وجہ سے ان کو "شاعرِ مزدور" کا لقب ملا۔

شاعری کے بارے میں احسان دانش کا ایک خاص نقطۂ نظر تھا۔ ان کا خیال ہے کہ جذبات وخیالات اور واقعات کو عام فہم انداز میں بیان کرنا چاہیے تاکہ خواص کے ساتھ ساتھ عوام بھی استفادہ کر سکیں۔ احسان دانش کی شاعری میں ہندی کے غیر مانوس الفاظ کا استعمال بالکل نہیں ہے۔

تصانیف حدیثِ ادب، چراغاں، گورستان، جہانِ دانش، میراثِ مومن، آتشِ خاموش، شیرازہ وغیرہ۔

آزادی

حاصلاتِ تعلم

اِس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ نظم کی تعریف بیان کر سکیں۔
۲۔ نظم کی ادبی اور فنی خصوصیات بیان کر کے ان کا تجزیہ کر سکیں۔
۳۔ شاعر کے اظہار اور اسلوب کے حوالے سے متن کا فکری وفنی جائزہ پیش کر سکیں۔
۴۔ شعری اصطلاحات قافیہ، ردیف، مطلع اور مقطع کی پہچان کر سکیں۔
۵۔ آزادی کے حصول کے لیے اپنے اسلاف کے کارناموں سے واقف ہو سکیں۔

عبادت ہے سراپا جذبۂ تعمیرِ آزادی
شہادت مستقل اک سرخیِ تحریرِ آزادی

جہاں آزاد کر سکتے نہ ہوں تقریرِ آزادی
وہ آزادی مری نظروں میں ہے تحقیرِ آزادی

فضائیں کر رہی ہیں ذوقِ ایثار و عمل پیدا
لہو میں دوڑتا ہے شعلۂ تاثیرِ آزادی

جو کہنا تھا اسے سب کہ گیا قرآں کے پردے میں
زمانہ حشر تک کرتا رہے تفسیرِ آزادی

لہو برسا، بہے آنسو، لٹے رہرو، کٹے رشتے
ابھی تک نامکمل ہے مگر تعمیرِ آزادی

تعجب ہے غلامی کے شبستانوں کی زینت ہے
کھنچی ہے جو ہمارے خون سے تصویرِ آزادی

تحریر ہے کتاب اللہ زیبِ طاقِ نسیاں ہے
تعجب ہے کوئی کرتا نہیں تفسیرِ آزادی

ابھی طوق و سلاسل میں ہیں آزادی کے دیوانے
مگر زنداں کے دروازے پہ ہے تصویرِ آزادی

تڑپ کر بزم میں دانش چلے آئے ہیں پروانے
اندھیروں سے مگر پھوٹی نہیں تنویرِ آزادی

(فصل سلاسل)

مشق

۱۔ اس نظم کے قافیے اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ اس نظم کی ردیف کی نشان دہی کریں۔

۳۔ متن کے حوالے سے خالی جگہوں کے لیے درست لفظ کا انتخاب کریں۔

الف۔ وہ آزادی مری نظروں میں ہے ______ آزادی۔

(i) تحریرِ (ii) تحقیرِ (iii) تعبیرِ (iv) تاثیرِ

ب۔ جو کہنا تھا اُسے سب کہہ گیا ______ کے پردے میں۔

(i) قرآں (ii) بیاں (iii) طوفاں (iv) امتحاں

ج۔ تعجب ہے غلامی کے شبستانوں کی ______ ہے۔

(i) صورت (ii) مورت (iii) زینت (iv) ضرورت

د۔ ابھی طوق و سلاسل میں ہیں آزادی کے ______ ۔

(i) پروانے (ii) مستانے (iii) انجانے (iv) دیوانے

ہ۔ مگر زنداں کے دروازے پہ ہے ______ آزادی۔

(i) تفسیرِ (ii) تصویرِ (iii) تعبیر (iv) تنویرِ

۴۔ آزادی کے حصول کے لیے جن قربانیوں کا اس نظم میں ذکر آیا ہے، انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۵۔ دوسرے شعر میں شاعر نے کون سی خاص بات بیان کی ہے؟

۶۔ ''نامکمل'' میں ''نا'' سابقہ ہے۔ آپ درج ذیل سابقوں سے دو دو الفاظ بنائیں۔

پر، بے، غیر، خوش۔

۷۔ اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۸۔ جملے بنائیں۔

سراپا، تحقیر، تحریر، طوق و سلاسل، تنویرِ آزادی، تاثیر۔

۹۔ قواعد کی رو سے درج ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔

ایثار و عمل، تقریرِ آزادی، قرآن کے پردے، طوق و سلاسل۔

مطلع: غزل کے پہلے شعر کو ''مطلع'' کہا جاتا ہے۔ مطلع کے دونوں مصرعے آپس میں ہم قافیہ و ہم ردیف ہوتے ہیں یا صرف ہم قافیہ ہوتے ہیں۔

مقطع: غزل یا نظم کے آخری شعر کو ''مقطع'' کہا جاتا ہے۔ جس میں اکثر شاعر اپنا تخلص استعمال کرتا ہے۔

قافیہ: شعر کے آخر میں آنے والا ایک لفظ یا کئی الفاظ جو وزن اور آواز میں یکساں مگر معنی کے اعتبار سے جدا ہوں ''قافیہ'' کہلاتے ہیں۔ جیسے اس نظم میں تعبیر، تحریر، تاثیر، تعمیر قافیے ہیں۔

awazeinqilab.com

ردیف: شعر کے آخر میں آنے والا لفظ یا الفاظ جو بار بار آتے ہیں "ردیف" کہلاتے ہیں۔ جیسے اس نظم میں "آزادی" ردیف ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ کمرۂ جماعت میں اِس نظم کو بلند آواز میں ترنّم کے ساتھ پڑھیں۔
۲۔ طلبہ "آزادی" کے عنوان کے تحت ڈھائی سو الفاظ پر مبنی ایک مضمون اپنی کاپی میں تحریر کریں۔
۳۔ نظم "آزادی" کو مدِ نظر رکھتے ہوئے احسان دانش کے اسلوبِ نگارش پر مختصر نوٹ اپنی کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذۂ کرام

۱۔ احسان دانش کو "شاعرِ مزدور" کہا جاتا ہے طلبہ کو اس حوالے سے اُن کے چند اشعار لکھوائیں اور ان کی وضاحت کریں۔
۲۔ ہیئت کے اعتبار سے نظم کی اقسام طلبہ کو مثالوں کی مدد سے سمجھائیں۔

حفیظ جالندھری

ولادت: ۱۹۰۰ء // وفات: ۱۹۸۲ء

حفیظ جالندھری کا اصل نام محمد حفیظ تھا۔ حفیظ تخلّص اور ابوالاثر کنیت تھی۔ وہ جالندھر، مشرقی پنجاب بھارت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم جالندھر سے حاصل کی اور بعد میں لاہور چلے آئے۔ تنگیٔ معاش کی وجہ سے مزید تعلیم جاری نہ رکھ سکے۔ ان کا میلان بچپن ہی سے شاعری کی طرف تھا۔ مولانا غلام قادر گرامی کی شاگردی سے ان کی پوشیدہ صلاحیتوں کو ترقی ملی۔ ان کی صحبت نے حفیظ جالندھری کے فن کو مزید جلا بخشی۔ انھوں نے محنت اور استاد کی تربیت سے بڑا نام کمایا۔ مولانا گرامی کو ان پر بڑا فخر تھا۔ وہ مختلف صحافتی اداروں سے منسلک رہے اور آل انڈیا ریڈیو سے بھی وابستہ رہے۔

حفیظ جالندھری کا سب سے بڑا کارنامہ پاکستان کے قومی ترانے کی تخلیق ہے۔ انھوں نے پاکستان کے لیے خوبصورت قومی ترانہ لکھا۔ اس کے علاوہ انہوں نے رسولِ پاک حضرت محمد رسول اللہ خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم کی حیات طیبہ کو "شاہنامہ اسلام" کے عنوان سے منظوم کیا۔ اس طرح انھوں نے اسلام کی ابتدائی تاریخ کو مؤثر انداز سے پیش کر کے امتِ مسلمہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اُجاگر کرنے کی کوشش کی۔ اس لیے انھیں "فردوسیٔ اسلام" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ وہ بالطبع شاعر تھے۔ ان کی شاعری میں ترنم اور موسیقیت پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی شاعری کے ذریعے پورا منظر قاری کے سامنے لے آتے ہیں۔ ان کی غزلوں میں سوز و گداز اور کسک پائی جاتی ہے۔ تاثیر اور شیرینیٔ کلام ان کی شاعری کے جوہر ہیں۔

تصانیف تصویرِ کشمیر، بہار کے پھول، نغمہ زار، سوز و ساز، تلخابۂ شیریں، شاہنامہ اسلام وغیرہ۔

awazeinqilab.com

مزارِ قطب الدّین ایبک

حاصلاتِ تعلم

اس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ سُن کر نظم کے مرکزی خیال تک رسائی حاصل کر سکیں۔
۲۔ شاعر کی صحتِ زبان کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کر سکیں۔
۳۔ نظم کے اشعار کی تشریح کر سکیں۔
۴۔ اپنے اسلاف کے کارناموں سے آگاہ ہو سکیں۔
۵۔ ادبی اور علمی تحریروں میں مجازی اور اصطلاحی امتیاز کے ساتھ ساتھ علمِ بیان کو ملحوظ رکھ کر پڑھ سکیں۔

وہ قطب الدّین وہ مردِ مجاہد جس کی ہیبت سے
یہ دنیا از سرِ نو جاگ اُٹھی تھی خوابِ غفلت سے

وہ جس کی تیغِ ہیبت ناک سے سفاک ڈرتے تھے
وہ جس کے بازوؤں کی دھاک سے افلاک ڈرتے تھے

یہاں لاہور میں سوتا ہے اک گمنام کوچے میں
پڑی ہے یادگارِ دولتِ اسلام، کوچے میں

میں اکثر شہر کے پُر شور ہنگاموں سے اُکتا کر
سکوں کی جستجو میں بیٹھ جاتا ہوں یہاں آکر

تخیّل مجھ کو لے جاتا ہے اک پُر ہول میداں میں
جہاں باہم بپا ہوتی ہے جنگ انبوہِ انساں میں

نظر آتا ہے لہراتا ہوا اسلام کا جھنڈا
بہر سُو نور پھیلاتا ہوا اسلام کا جھنڈا

مقابل میں گھٹائیں دیکھتا ہوں فوجِ باطل کی
نظر آتی ہے فرعونی خدائی اَوجِ باطل کی

صدائیں نعرہ ہائے جنگ کی آتی ہیں کانوں میں
بلند آہنگ تکبیریں سما جاتی ہیں کانوں میں

نظر آتا ہے مجھ کو سرخرو ہونا شہیدوں کا
وہ اطمینان، وہ ہنستا ہوا چہرہ امیدوں کا

عَلم کے سائے میں سلطانِ غازی کا بڑھے جانا
سرِ دشمن پہ افواجِ حجازی کا چڑھے جانا

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ غازی مرد ہوں میں بھی
پرانے لشکرِ اسلام کا اک فرد ہوں میں بھی

شہادت کے رَجز پڑھتا ہوں میدانِ شہادت میں
رَجز پڑھتا ہوا بڑھتا ہوں ارمانِ شہادت میں

عظیم الشّان ہوتا ہے یہ منظر پاکبازی کا
شہیدوں کی خموشی، غُلغلہ مردانِ غازی کا

مرا جی چاہتا ہے اب نہ اپنے آپ میں آؤں
اسی آزاد دنیا کی فضا میں جذب ہو جاؤں

(شاہنامۂ اسلام)

awazeinqilab.com

مشق

۱۔ نظم ''مزارِ قطب الدین ایبک'' کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۲۔ ؎ عَلَم کے سائے میں سلطانِ غازی کا بڑھے جانا
سرِ دُشمن پہ افواجِ حجازی کا چڑھے جانا

اس شعر میں ''سلطانِ غازی'' اور ''افواجِ حجازی'' سے کیا مراد ہے؟

۳۔ رَجز پڑھنا سے شاعر کی کیا مراد ہے؟

۴۔ مصرعے مکمل کریں۔

(الف) وہ جس کی تیغِ ہیبت ناک سے ____________

ب۔ پڑی ہے یادگارِ دولتِ ____________

ج۔ تخیل مجھ کو لے جاتا ہے اِک ____________

د۔ بہر سُو نور پھیلاتا ہوا ____________

ہ۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ ____________

۵۔ درج ذیل تراکیب کی وضاحت کریں۔

پُرہول میدان، فوجِ باطل، فرعونی خدائی، رَجز پڑھنا، بلند آہنگ تکبیریں، شہیدوں کی خموشی۔

۶۔ ''ہیبت ناک'' میں ''ناک'' لاحقہ ہے۔آپ درج ذیل لاحقوں سے دو دو الفاظ بنائیں۔

انگیز، مند، پوش، خانہ، زار۔

۷۔ اس نظم کا کون سا شعر آپ کو پسند آیا ہے؟ پسندیدگی کی وجہ بھی لکھیں۔

۸۔ اس نظم کے تیسرے اور ساتویں شعر میں آنے والے قافیوں اور ردیفوں کی نشان دہی کریں۔

مرکبِ عطفی: وہ مرکب ہے جو معطوف علیہ اور معطوف سے مِل کر بنے اور اِسے حرفِ عطف کے ذریعے ملایا جاتا ہے۔جیسے: عمر اور ماریہ، امیر و غریب۔

ان مثالوں میں حرفِ عطف یعنی ''اور'' اور ''وَ'' سے پہلے اسم کو معطوف علیہ اور بعد میں آنے والے اسم کو معطوف کہا جاتا ہے۔

مرکب جاری: وہ مرکب جو اسم اور حرفِ جار سے مِل کر بنے اس میں اسم کو مجرور کہا جاتا ہے۔مثلاً کراچی سے، میز پر، لاہور تک۔

ان مثالوں مین کراچی، میز اور لاہور ''مجرور'' ہیں جب کہ سے، پر اور تک حروفِ جار ہیں۔

علمِ بیان: علم بیان سے مراد مجاز کے ایسے قواعد اور ضوابط کا علم ہے جن کے ذریعے سے ایک بات کو معنی کے لحاظ سے مختلف طریقوں سے ادا کیا جا سکے۔اس کا مقصد کلام یا بیان میں تاثیر اور اسلوب میں ندرت پیدا کرنا ہے۔علمِ بیان کے قاعدے حسبِ ذیل ہیں:

تشبیہ، استعارہ، مجازِ مرسل اور کِنایہ

سرگرمیاں

۱۔ اپنے اُستاد صاحب / اُستانی صاحبہ سے قطب الدین ایبک کے متعلق معلومات حاصل کریں اور اُن کا مختصر سا تعارف اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

۲۔ حفیظ جالندھری ہمارے قومی ترانے کے خالق ہیں۔اس کے علاوہ اُنھوں نے آزاد جموّں و کشمیر کا قومی ترانہ بھی لکھا ہے۔آپ انٹرنیٹ سے آزاد جموّں و کشمیر کا ترانہ اپنی کاپیوں میں لکھیں اور ''۵ فروری، یومِ یکجہتیٔ کشمیر'' پر مل کر بلند آواز سے پڑھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو قطب الدین ایبک کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

۲۔ طلبہ کو حفیظ جالندھری کی شہرۂ آفاق تصنیف ''شاہنامۂ اِسلام'' سے چند اشعار سُنائیں۔

۳۔ طلبہ کو علمِ بیان اور اس کی اقسام سمجھائیں۔

awazeinqilab.com

میر ببر علی انیسؔ

ولادت: ۱۸۰۱ء // وفات: ۱۸۷۴ء

میر ببر علی انیسؔ فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ شاعری کا فن انھیں وِرثے میں ملا۔ خاندانی روایات کے مطابق ابتدائی تعلیم گھر پر حاصل کی۔ زمانۂ طالب علمی میں انھیں معقولات اور لسانی مسائل سے گہری دلچسپی رہی۔ وہ طبعاً خوش مزاج اور حاضر جواب انسان تھے۔ انیسؔ کو شاعری ورثے میں ملی تھی کیونکہ آپ کے والد مستحسن خلیق اپنے زمانے کے مشہور مرثیہ گو تھے اور آپ کے دادا میر حسنؔ مثنوی کی دنیا کے عظیم شخصیت تھے۔

میر انیسؔ نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا لیکن ان کی وجہِ شہرت مرثیہ نگاری ہے۔ وہ ایک پُرگو اور قادرالکلام شاعر تھے۔ انھوں نے تشبیہات اور استعارات کا استعمال بڑی مہارت سے کیا ہے۔

فصاحت وبلاغت، الفاظ کا بہترین انتخاب اور نادر تشبیہات کا استعمال ان کے کلام کی نمایاں خصوصیات ہیں۔ میر انیسؔ کے مرثیوں میں کربلا سے وابستہ شخصیات، مناظر اور انسانی جذبات واحساسات کی بڑی بھرپور اور مکمل تصویر کشی ملتی ہے۔ اُن کے مرثیوں میں قصیدے کی شان وشوکت، غزل کا تغزّل، مثنوی کا تسلسل اور رباعی کی بلاغت سب کچھ موجود ہے۔ اگرچہ انیسؔ کے مرثیوں میں مبالغہ اور تصنّع پایا جاتا ہے مگر اِن کی شعری خوبیاں اور اعتدال پسندی اِن سب چیزوں پر پردہ ڈال دیتی ہے۔ انھی خصوصیات کی بنا پر انھیں اُردو مرثیہ نگاروں میں ایک نمایاں اور اہم مقام دیا جاتا ہے۔

تصانیف کلیاتِ میر انیسؔ، مراثیِ انیسؔ۔

نمودِ صبح

حاصلاتِ تعلّم

اِس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ مرثیہ کی تعریف اور اس کے فن سے واقفیت حاصل کرسکیں۔
۲۔ متن کے موضوعات کا ادراک، اُس دور کے سیاسی وسماجی پس منظر کے حوالے سے کرسکیں۔
۳۔ نظم کا علم بیان اور شعری اصطلاحات کی روشنی میں جائزہ لے سکیں۔
۴۔ نظم کے مرکزی خیال کو بیان کرسکیں۔

طے کر چکا جو منزلِ شب، کاروانِ صبح
ہونے لگا اُفق سے ہویدا، نشانِ صبح
گردُوں سے کوچ کرنے لگے اخترانِ صبح
ہر سو ہوئی بلند صدائے اذانِ صبح
پنہاں نظر سے رُوئے شبِ تار ہو گیا
عالم تمام مطلعِ انوار ہو گیا

یوں گلشنِ فلک سے ستارے ہوئے رواں
چُن لے چمن سے پھولوں کو جس طرح باغباں
آئی بہار میں گلِ مہتاب پر خزاں
مرجھا کے گر گئے ثمر و شاخِ کہکشاں
دِکھلائے طور بادِ سحَر نے سموم کے
پژ مردہ ہو کے رہ گئے، غنچے نجوم کے

awazeinqlab.com

چھپنا وہ ماہتاب کا، وہ صبح کا ظہور
یادِ خدا میں زمزمہ پردازیِ طیور
وہ رونق اور وہ سرد ہَوا، وہ فضا، وہ نور
خنکی ہو جس سے چشم کو اور قلب کو سُرور

انساں زمیں پہ محو، مَلک آسمان پر
جاری تھا ذکرِ قدرتِ حق ہر زبان پر

وہ سرخیِ شفق کی اُدھر چرخ پر بہار
وہ بارور درخت، وہ صحرا وہ سبزہ زار
شبنم کے وہ گلوں پہ گہر ہائے آبدار
پھولوں سے سب بھرا ہوا دامانِ کوہسار

نافے کھُلے ہوئے وہ گُلوں کی شمیم کے
آتے تھے سرد سرد وہ جھونکے نسیم کے

تھی دشتِ کربلا کی زمیں، رشکِ آسماں
تھا دور دور تک شبِ مہتاب کا سماں
چھلکے ہوئے ستاروں کا ذرّوں پہ تھا گماں
نہرِ فرات بیچ میں تھی مثلِ کہکشاں

سر سبز جو درخت تھا وہ نخلِ طُور تھا
صحرا کے ہر نہال کا سایہ بھی نور تھا

(مَراثیِ اَنیس)

Not For Sale

مشق

۱۔ اس نظم کے پہلے چار بندوں کی ردیف اور قوافی کی نشان دہی کریں۔

۲۔ درج ذیل تراکیب کا مفہوم واضح کریں۔

صدائے اذانِ صبح۔ رُوئے شبِ تار۔ دامانِ کوہسار۔ بادِ سحر۔ گلشنِ فلک۔ ثمر و شاخِ کہکشاں۔
زمزمہ پردازی طیور۔ ذکرِ قدرتِ حق۔ گہر ہائے آبدار۔

۳۔ گُلِ مہتاب پر خزاں کے آنے کا مفہوم اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۴۔ ''نمودِ صبح'' کے آخری بند میں چند تشبیہات کا استعمال ہوا ہے۔ ان کی نشان دہی کرتے ہوئے ارکانِ تشبیہ کی وضاحت کریں۔

۵۔ ''نُمودِ صبح'' کے آخری بند میں ''نخلِ طور'' تلمیح آئی ہے، تلمیح کی تعریف لکھیں اور کوئی سی تین مثالیں دیں۔

۶۔ ''نُمودِ صبح'' میں صبح کے سماں کی جو منظر کشی کی گئی ہے۔ اُسے اپنے الفاظ میں بیان کریں۔

۷۔ اس نظم میں صبح کا منظر بیان کیا گیا ہے۔ آپ شام کے منظر پر ایک اقتباس لکھیں۔

۸۔ اس نظم میں سے استعارے کی کوئی مثال تلاش کر کے لکھیں۔

علمِ بدیع: بدیع کے لغوی معنی ''انوکھا'' اور ''نادر'' کے ہیں۔ علم بدیع سے مراد وہ علم ہے جس کے ذریعے کلام میں لفظی اور معنوی لحاظ سے خوبیاں اور اچھوتا یا نادر پن پیدا کیا جا سکے۔ بالفاظِ دیگر یہ کلام کی آرائش و زیبائش ہے۔ اس سے کلام خوبصورت اور مزّین ہو جاتا ہے۔ علم بدیع کے ذریعے کلام میں دو طرح کی خوبیاں پیدا کی جاتی ہیں:

i۔ **صنائع لفظی:** اس سے کلام میں لفظی حُسن پیدا کیا جاتا ہے۔

ii۔ **صنائع معنوی:** اس سے کلام کے معنوں میں حُسن پیدا کیا جاتا ہے۔

Not For Sale
awazeinqilab.com

علم بدیع کی چیدہ چیدہ صنعتیں حسب ذیل ہیں۔

صنعتِ تلمیح، صنعتِ تلمیع، صنعتِ تضاد، صنعتِ مراعات النظیر

تلمیح: قواعد کی رو سے کلام میں ایسے الفاظ یا ترکیب لانا جو کسی قرآنی آیت، حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، تاریخی واقعے، داستان، روایتی کہانی، تہذیبی یا ثقافتی روایت یا کسی علمی وفنی اصطلاح کی طرف اشارہ کرے ''تلمیح'' کہلاتا ہے۔ ایسے الفاظ وتراکیب سے قاری یا سامع کا ذہن اُس بات، واقعے یا روایت کی طرف منتقل ہو جاتا ہے۔ اس طرح کلام کا طویل اور وسیع مفہوم چند لفظوں (اشاروں) سے سمجھ آ جاتا ہے۔ جیسے:

آگ ہے اولادِ ابراہیمؑ ہے نمرود ہے
کیا کسی کو پھر کسی کا امتحان مقصود ہے

اس شعر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے کے واقعے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ شہدائے کربلا میں سے دس شہدا کے نام اپنی کاپی میں لکھیں۔
۲۔ طلبہ اپنے سکول کی لائبریری میں میر انیسؔ کے کسی اور مرثیے سے مناظرِ فطرت پر مبنی چند اشعار اپنی کاپیوں میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو مرثیے کی روایت اور اس کے ارتقا پر مفصل لیکچر دیں۔
۲۔ طلبہ کو میر انیسؔ اور مرزا دبیر کے مرثیوں کے درمیان بنیادی فرق مثالوں سے سمجھائیں۔
۳۔ تاریخ اسلام کے بڑے معرکۂ حق وباطل یعنی ''جنگِ کربلا'' کی تاریخ سے طلبہ کو آگاہ کریں اور ذیل اشعار کی طرح اشعار بھی سنائیں۔

قتلِ حسینؓ اصل میں مرگِ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے، ہر کربلا کے بعد

جی کے مرنا تو سب کو آتا تھا
مر کے جینا سکھا دیا تو نے

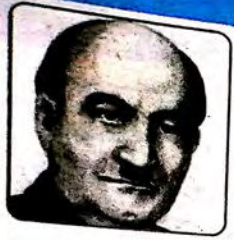

جوشؔ ملیح آبادی

ولادت: ۱۸۹۸ء // وفات: ۱۹۸۲ء

ان کا نام شبیر حسن خان اور جوشؔ تخلص تھا۔ ملیح آباد میں پیدا ہوئے۔ شعرو شاعری انھیں ورثے میں ملی تھی۔ وہ ایک خوشحال اور نیم جاگیردارانہ خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ تحریک آزادی کے زمانے میں بہت پرجوش اور انقلابی نظمیں لکھیں تقسیمِ برصغیر کے بعد وہ پاکستان آگئے تھے۔

جوشؔ اپنے باغیانہ لہجے، آزاد فطرت اور بے پناہ ذخیرۂ الفاظ کی وجہ سے اردو شاعری میں ایک منفرد مقام رکھتے ہیں۔ انھیں زبان وبیان پر پوری قدرت حاصل ہے۔ انھیں شاعرِ شباب اور شاعرِ انقلاب بھی کہا جاتا ہے۔ ان کا تصورِ انقلاب سراسر رومانی ہے۔ تحریکِ آزادی، اس دور کے لوگوں کو درپیش مسائل اور معاملاتِ حسن وعشق سبھی کچھ ان کے کلام میں مل جاتا ہے۔ انھوں نے مناظرِ فطرت پر جس کثرت سے نظمیں لکھی ہیں ان کی مثال اردو شاعری میں بہت کم ملے گی۔ بیسویں صدی کے شعراء میں ان کا نام صفِ اوّل میں آتا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ ''روحِ ادب'' ہے۔ زندگی کے آخری ایّام میں انھیں زیادہ شہرت ان کی خودنوشت ''یادوں کی برات'' کے باعث ملی۔ ان کا مزار اسلام آباد میں ہے۔

تصانیف: روحِ ادب، سیف وسبو، شعلۂ وشبنم، یادوں کی برات، جنون وحکمت، سموم وصبا، جذباتِ فطرت، سُرود وخروش، عرش وفرش، سنبل وسلاسل، شاعری کی راتیں، فکر ونشاط۔

awazeinqilab.com

کسان

جوشؔ ملیح آبادی

حاصلاتِ تعلم

اِس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ نظم کے متن کو سمجھ کر اِس کے متعلق سوالات کے جوابات تحریر کرسکیں۔
۲۔ نظم کے تمام پہلوؤں کا احاطہ کرتے ہوئے اس کا خلاصہ تحریر کرسکیں۔
۳۔ علمِ بیان کی رو سے اشعار میں مختلف عناصر کی پہچان کرسکیں۔
۴۔ متن میں مختلف مرکبات کی نشاندہی کرسکیں۔

ناظرِ گل، پاسبانِ رنگ و بو، گلشن پناہ
ناز پرور، لہلہاتی کھیتیوں کا بادشاہ

وارثِ اَسرارِ فطرت، فاتحِ امید و بیم
محرمِ اسرارِ باراں، واقفِ طبعِ نسیم

جلوۂ قدرت کا شاہد، حسنِ فطرت کا گواہ
ماہ کا دل، مہرِ عالم تاب کا نورِ نگاہ

قلبِ آہن جس کے نقشِ پا سے ہوتا ہے رقیق
شعلہ خُو جھونکوں کا ہمدم، تیز کرنوں کا رفیق

لہر کھاتا ہے رگِ خاشاک میں جس کا لہو
جس کے دل کی آنچ بن جاتی ہے سیلِ رنگ و بو

دوڑتی ہے رات کو جس کی نظر افلاک پر
دن کو جس کی انگلیاں رہتی ہیں نبضِ خاک پر

سرنگوں رہتی ہیں جس سے قوتیں تخریب کی
جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی

جس کی محنت سے پھبکتا ہے تن آسانی کا باغ
جس کی ظلمت کی ہتھیلی پر تمدّن کا چراغ

دھوپ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقّت کے نشاں
کھیت سے پھیرے ہوئے منہ گھر کی جانب ہے رواں

ٹوکرا سر پر، بغل میں پھاوڑا، تیوری پہ بل
سامنے بیلوں کی جوڑی، دوش پر مضبوط ہَل

(شعلہ و شبنم)

مشق

۱۔ درج ذیل تراکیب کا مطلب واضح کریں۔

پاسبانِ رنگ و بو، محرمِ اسرارِ باراں، مہرِ عالم تاب، فاتحِ امید و بیم، سیلِ رنگ و بو، تمدّن کا چراغ، وارثِ اسرارِ فطرت۔

۲۔ ع ''جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر تہذیب کی'' اِس مصرعے کی وضاحت کریں۔

۳۔ اس نظم کے ہر شعر کے دونوں مصرعوں میں ہم قافیہ الفاظ موجود ہیں، جیسے پہلے شعر کے ہم قافیہ الفاظ یہ ہیں: ''پناہ ، بادشاہ''۔ آپ اس نظم میں سے ہم قافیہ الفاظ کے پانچ جوڑے چن کر اپنی کاپی میں لکھیں۔

awazeinqilab.com

۴۔ مصرعے مکمل کریں۔

ا۔ لہر کھاتا ہے رگِ ________ میں جس کا لہو

ب۔ سرنگوں رہتی ہیں جس سے ________ تخریب کی

ج۔ جس کے بوتے پر لچکتی ہے کمر ________ کی

د۔ ________ کے جھلسے ہوئے رخ پر مشقت کے نشاں

۵۔ اس نظم کا خلاصہ لکھیں۔

۶۔ درج ذیل قواعد کی رو سے کس قسم کے مرکبات ہیں۔

رنگ و بو۔ قدرت کا شاہد ۔ تیز کرنوں ۔ نبضِ خاک۔

۷۔ کلام میں دو یا دو سے زائد ایسے الفاظ لانا جن کے معنی ایک دوسرے سے متصادم یا متضاد ہوں تو اسے ''صنعتِ تضاد'' کہتے ہیں۔ مثلاً ہنسا و رونا، جینا و مرنا، صبح و شام وغیرہ۔

آپ اِس نظم سے ایسا شعر معلوم کر کے لکھیں جس میں صنعت تضاد کا استعمال ہوا۔

مرکبِ اشاری: وہ مرکب ہے جو اسمِ اشارہ اور ''مشارالیہ'' سے مِل کر بنے مثلاً: یہ کُرسی، وہ دیوار۔

جو اسم کسی دوسرے اسم کی طرف اشارہ کرے اُسے ''اسمِ اشارہ'' اور جس اسم کی طرف اشارہ کرے وہ مشارالیہ'' کہلاتا ہے۔ اُوپر کی مثالوں میں ''یہ''، ''وہ'' اسمِ اشارہ اور ''کُرسی''، ''دیوار'' مشارالیہ ہے۔

سرگرمیاں

۱۔ اس نظم میں کسان کی محنت و مشقّت کا ذکر ہے۔ آپ ایک مزدور کی محنت و مشقّت اور اس کے نتیجے میں آنے والی ترّقی پر چند اقتباسات لکھیں۔

۲۔ ''محنت میں عظمت ہے'' کے عنوان پر طلبہ احادیثِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی روشنی میں دو صفحوں کا مضمون تحریر کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ ''محنت کی عظمت'' کی وضاحت کے لیے احادیثِ مبارکہ کے حوالے سے طلبہ کو معلومات فراہم کریں۔

۲۔ مرکب اور اِس کی اقسام: اضافی، توصیفی، عطفی وغیرہ کے بارے میں طلبہ کو بتائیں۔

۳۔ مناظر فطرت کے حوالے سے کمرۂ جماعت میں جوش ملیح آبادی کی کوئی اَور نظم طلبہ کو سنائیں۔

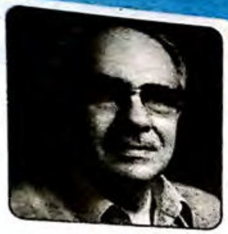

جمیل الدین عالؔی

ولادت: ۱۹۲۶ء // وفات: ۲۰۱۵ء

ان کا اصل نام مرزا جمیل الدین احمد خان ہے۔ قلمی نام جمیل الدین عالؔی ہے۔ ان کے دادا نواب علاؤالدین احمد خان، غالبؔ کے بہت چہیتے شاگرد تھے۔ جمیل الدین عالی ۲۰/ جنوری ۱۹۲۶ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا آبائی وطن لوہارو تھا جو اب بھارت کے صوبہ ہریانہ میں شامل ہے۔ انھوں نے ایم اے تک تعلیم دہلی میں حاصل کی۔ تقسیمِ برصغیر کے بعد کراچی آ گئے۔ بہت سے محکموں میں اعلیٰ افسر کے طور پر ملازمت کی جن میں وزارتِ تجارت، انکم ٹیکس، تعلیم، نیشنل بنک اور اقوامِ متحدہ شامل ہیں۔

بحیثیت شاعر ان کا مقام بہت بلند ہے۔ انھوں نے غزل، گیت، مِلّی نغمے، دوہے میں بڑا نام پایا۔ ۱۹۶۵ء کی پاک بھارت جنگ میں ان کے مِلّی نغمے پوری قوم کے دلوں کی دھڑکن بن گئے تھے۔ وطن دوستی ان کے کلام کی نمایاں خوبی ہے ۔ ہندی کے نرم وشیریں الفاظ، بول چال کا لب ولہجہ اور اندازِ بیان کی گھلاوٹ سے ان کے کلام میں ایک وجدانی کیفیت پیدا ہوجاتی ہے۔ زبان وبیان پر انھیں پوری قدرت حاصل ہے۔ الفاظ کے حسنِ انتخاب اور تراکیب کی شگفتگی سے ان کے کلام میں ایک صوتی آہنگ پیدا ہوجاتا ہے۔

تصانیف جیوے جیوے پاکستان، لاحاصل، نئی کرن، غزلیں، دوہے، گیت، دنیا میرے آگے، تماشا میرے آگے، سفرنامۂ چین، سفرنامۂ آئس لینڈ، نقار خانے میں۔

awazeinqilab.com

جمیل الدّین عالی

اے دیس کی ہواؤ!

حاصلاتِ تعلّم

اس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ نظم کے متن کو مدِ نظر رکھ کر سوالات کے جواب لکھ سکیں۔
۲۔ نظم کی ادبی اور فنی خصوصیات کا تجزیہ کر سکیں۔
۳۔ گیت اور ملّی نغمے کا فرق جان سکیں۔
۴۔ نظم کے اشعار کی تشریح کر سکیں۔

اے دیس کی ہواؤ!
سرحد کے پار جاؤ
اور ان کو چھو کے آؤ

جن کے بدن کی گرمی
سانسوں میں بس گئی ہے
جن کے سخن کی نرمی
کانوں میں رس گئی ہے

جو زندگی وطن پر
قربان کر رہے ہیں
نسلیں گواہی دیں گی
احسان کر رہے ہیں

وہ بے ریا مجاہد
پابند ہیں وفا کے
بھٹکا جو یہ سفینہ
ہیں مُجرم ناخدا کے

ہاں ان کو پیار کہنا
اور بار بار کہنا
باتیں ہزار سننا
باتیں ہزار کہنا

کہنا کہ تم ہمارے
ہم منتظر تمھارے
اک روز آملو گے
اللہ کے سہارے

کب تک سہے گی آخر
دنیا جو سہہ رہی ہے
تم ہم سے آ ملو گے
تاریخ کہہ رہی ہے

تم اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم
تم صبر و شان والے
ہم اُمّتِ محمد صلی اللہ علیہ وعلی آلہ واصحابہ وسلم
ہم امتحان والے

awazeinqilab.com

سب کچھ سہارتے ہیں
سب کچھ سہار لیں گے
کچھ روز رہ گئے ہیں
یہ بھی گزار لیں گے
اک ہدیۂ عقیدت
عالؔی کا یہ ترانہ
بس فرض ہے حقیقت
باقی ہے سب فسانہ
اے دیس کی ہواؤ!
سرحد کے پار جاؤ
اور اُن کو چھو کے آؤ

(جیوے جیوے پاکستان)

مشق

۱۔ اس مِلّی نغمے میں شاعر نے مقبوضہ کشمیر کے مسلمانوں کی آزادی کے لیے قربانیوں کا ذکر جس طرح کیا ہے۔ آپ انھیں اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۲۔ شاعر دیس کی ہواؤں کو کیا پیغام دے رہا ہے؟

۳۔ "تم ہم سے آملو گے
تاریخ کہہ رہی ہے" کا مطلب واضح کریں۔

۴۔ نسلیں کس بات کی گواہی دیں گی؟

۵۔ اِعراب لگا کر درج ذیل کا تلفظ واضح کریں۔
سخن، منتظر، امت، عقیدت، امتحان۔

۶۔ اس مِلّی نغمے کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۷۔ مصرعے مکمل کریں۔

ا۔ جن کے بدن کی ______

ب۔ ہاں ان کو ______ کہنا

ج۔ ہم ______ تمھارے

د۔ کچھ ______ رہ گئے ہیں

ہ۔ باقی ہے سب ______

گیت: گیت کے لغوی معنی نغمہ یا سُر ورکے ہیں۔ گیت کا تعلق چونکہ فنِ موسیقی سے ہے اس لیے اس میں شاعرانہ ترنّم کے ساتھ ساتھ موسیقار کے فن یعنی سُر اور تال کو بھی خاص اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ گیت میں شاعر اپنے جذبات واحساسات اور ہجر وفراق کو والہانہ انداز میں بیان کرتا ہے۔ گیت اُردو شاعری میں ہندی سے آیا ہے۔ گیت کی کوئی مقرر ہیئت نہیں ہوتی۔

مِلّی نغمہ: جیسا کہ نام سے ظاہر ہے۔ ایسا نغمہ یا گیت جس میں مِلّت یا قوم کا ذکر کرتے ہوئے محبت کا والہانہ اظہار کیا گیا ہو۔

سرگرمیاں

۱۔ جمیل الدین عالؔی کا کوئی اور مِلّی نغمہ ٹی وی یا انٹرنیٹ پر دیکھ کر چارٹ پر لکھیں اور کمرۂ جماعت میں آویزاں کریں۔
۲۔ جمیل الدین عالؔی کی نظم نگاری پر مختصر تنقیدی نوٹ اپنی کاپی میں لکھیں۔
۳۔ جمیل الدین عالؔی کا معروف مِلّی نغمہ "جیوے جیوے پاکستان" اُستاد صاحب / اُستانی صاحبہ کی موجودگی میں ترنّم کے ساتھ کمرۂ جماعت میں سُنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کے مابین سکول میں مِلّی نغموں کا مقابلہ کرائیں۔
۲۔ طلبہ کو کمرۂ جماعت میں مِلّی نغمہ اور گیت کا فرق سمجھائیں اور اِس کے متعلق سوالات پوچھیں۔

awazeinqilab.com

دِلاور فگار

ولادت: ۱۹۲۹ء // وفات: ۱۹۹۸ء

اصل نام دلاور حسین تھا لیکن دلاور فگار کے قلمی نام سے مشہور ہوئے۔ ہندوستان کے علاقے بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۵۴ء میں علی گڑھ یونیورسٹی سے معاشیات میں ایم ۔اے کیا۔ دلاور فگار اُردو کے نامور طنز نگار شاعر کی حیثیت سے معروف ہیں۔اُن کی شاعری میں ان کی زندگی کا عکس واضح نظر آتا ہے۔

وہ تصنع اور تکلفات سے پاک ایک مُنکسِرالمِزاج اور دوست نواز انسان تھے۔ وہ ایک فطری شاعر تھے۔ ان کا حافظہ غیر معمولی تھا۔ انھیں عروض سے واقفیت اور زبان پر قدرت حاصل تھی۔ وہ اردو نظم میں انگریزی الفاظ کے برجستہ استعمال پر قادر تھے۔معاشرے کے ایسے نازک موضوعات اور مسائل جن کے اظہار سے بڑے بڑے سنجیدہ شاعر گریز کرتے تھے، دلاور فگار انھیں نہایت سادگی اور برجستگی سے بیان کر دیتے تھے۔ وہ شاعری کے جملہ اوصاف سے پوری طرح باخبر تھے۔ اس لیے ان کا کلام رطب و یابس سے پاک ہے۔

بعض نقادوں کا خیال ہے کہ دلاور فگار نے وہی راہ اختیار کی جو اکبرالہ آبادی کی راہ تھی ۔ دلاور فگار بھی اکبرالہ آبادی کی طرح انگریزی کے الفاظ ایک خاص تیور سے استعمال کرتے رہے اور انھیں نیا انداز اور نئے معانی دینے میں کامیاب رہے۔

تصانیف حادثے، ستم ظریفیاں، شامتِ اعمال، آداب عرض، مطلع عرض ہے، خدا جھوٹ نہ بلوائے، انگلیاں فگار اپنی۔

کراچی کی بس

حاصلاتِ تعلم

اِس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ نظم کو سُن کر درست تلفظ اور آہنگ کے ساتھ پڑھ سکیں۔
۲۔ نظم کے طنزیہ پہلوؤں کا ادراک کر سکیں۔
۳۔ نظم کا مرکزی خیال اپنے الفاظ میں لکھ سکیں۔
۴۔ نظم کو مدِ نظر رکھ کر شاعر کے فنِ مزاح نگاری پر نوٹ لکھ سکیں۔
۵۔ فنی اصطلاحات جیسے: تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مرسل سے آگاہ ہو سکیں۔

بس میں لٹک رہا تھا کوئی ہار کی طرح
کوئی پڑا تھا سایۂ دیوار کی طرح
سہما ہوا تھا کوئی گنہ گار کی طرح
کوئی پھنسا تھا مرغ گرفتار کی طرح

محروم ہو گیا تھا کوئی ایک پاؤں سے
جوتا بدل گیا تھا کسی کا کھڑاؤں سے

کوئی پکارتا تھا مری جیب کٹ گئی
کہتا تھا کوئی میری نئی پینٹ پھٹ گئی
بس میں تمام پردوں کی دیوار ہٹ گئی
ریشِ سفید زلفِ سیہ سے لپٹ گئی

awazeinqilab.com

ایک اچھا خاصا مرد زنانے میں گھس پڑا
گویا کہ کوئی چور خزانے میں گھس پڑا

گاڑی میں ایک شور تھا کنڈکٹر آگے چل
کہہ دے خدا کے واسطے ہاں ٹھیک ہے ڈبل
کب تک کھڑا رہے گا سرِ جادۂ عمل
لڑنے کی آرزو ہے تو باہر ذرا نکل

تجھ پر خدا کی مار ہو اسٹارٹ کر دے بس
دو پیسے اور لے لے جو دولت کی ہے ہوس

کنڈکٹر اب یہ کہتا تھا وہ بس چلائے کیوں
جو بس میں آگیا ہے کرے ہائے ہائے کیوں
جس کو ہو جاں عزیز مری بس میں آئے کیوں
ایسے ہی گلبدن تھے تو پیسے بچائے کیوں

ٹھانی ہے دل میں اب نہ دبیں گے کسی سے ہم
تنگ آگئے ہیں روز کی کنڈکٹری سے ہم

یہ بس جو واقعی تھی کئی سال سے علیل
مشکل سے ایک گھنٹے میں چلتی تھی چار میل
مالک نے بھی یہ سوچ کے دے دی تھی اس کو ڈھیل
اب اس کی زندگی کے ہیں لمحے بہت قلیل

اب تو کسی ٹرک سے اچانک یہ جا ملے
کچھ بیمہ کمپنی سے ہمیں بھی صِلہ ملے

(مطلع عرض ہے)

مشق

۱۔ اس نظم کے پہلے بند میں چار تشبیہات کا استعمال ہوا ہے۔ ان چار تشبیہات کی وضاحت کریں۔
۲۔ اس نظم میں کون کون سے انگریزی الفاظ استعمال ہوئے ہیں؟
۳۔ "جس کو ہو جاں عزیز مری بس میں آئے کیوں؟" مطلب واضح کریں۔
۴۔ بس کے مالک کو بیمہ کمپنی سے کس بات کی امید تھی؟
۵۔ اس نظم کے آخری بند کے قافیے لکھیں۔
۶۔ درج ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔
دس پیسے، پردوں کی دیوار، ریشِ سفید، یہ بس، ٹرک سے۔
۷۔ درست الفاظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔
ا۔ گویا کہ کوئی چور ______ میں گھس پڑا۔
ب۔ لڑنے کی آرزو ہے تو ______
ج۔ جس کو ہو ______ مری بس میں آئے کیوں
د۔ مشکل سے ایک گھنٹے میں چلتی تھی ______
ہ۔ کچھ ______ کمپنی سے ہمیں بھی صِلہ ملے
۸۔ اِس مزاحیہ نظم کا مرکزی خیال تحریر کریں۔

طنز و مزاح میں فرق: طنز و مزاح کو عام طور پر ایک ہی چیز خیال کیا جاتا ہے۔ مگر ایسا نہیں ہے۔ طنز، مزاح سے بالکل الگ چیز ہے۔ مزاح ہنسی پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تفکّر کی دعوت بھی دیتا ہے۔ اسی طرح طنز میں نفرت، برہمی اور نشتریت کا عنصر پایا جاتا ہے۔ طنز نگار اگرچہ ہنسی اور دل لگی کے پردے میں طنز کے نشتر چلاتا ہے مگر جس چیز پر ہنستا

awazeinqilab.com

ہے، اس کو ناپسند کرتا ہے اور اسے تبدیل کرنے کا خواہاں ہوتا ہے۔ یعنی طنز نگار ایک دردمند دل کا مالک ہوتا ہے اور وہ ماحول کی ناہمواریوں، بے اعتدالیوں اور بُرائیوں پر اصلاح کے لیے چوٹ کرتا ہے۔ طنز و مزاح لازم و ملزوم ہیں کیونکہ مزاح کے بغیر طنز دل آزاری کا سبب بنتا ہے جو کہ ایک مخلص ادیب کا شیوہ نہیں۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ اپنی کاپی میں کسی پُرانی گاڑی کی آپ بیتی تحریر کریں۔

۲۔ طلبہ کسی اور شاعر کے کوئی سے تین مزاحیہ اشعار لکھیں جس میں کسی معاشرتی بُرائی یا ناہمواری کو طنز کا نشانہ بنایا گیا ہو۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو طنز و مزاح کا فرق سمجھائیں اور اُردو شاعری کے چند مزاح نگاروں کا تعارف کرائیں۔

۲۔ طلبہ کے درمیان بیت بازی کے مقابلہ کرائیں۔

مرزا محمود سرحدی

ولادت: ۱۹۱۴ء // وفات: ۱۹۶۸ء

مرزا محمود سرحدی پشاور میں پیدا ہوئے اور اوائلِ زندگی ہی سے غمِ روزگار کے چکر میں پڑ گئے۔ انھیں زندگی گزارنے کے لیے بڑے جتن کرنے پڑے۔ فوجی نوکری سے لے کر اسکول کی استادی تک اور کلرکی سے مزدوری تک کئی مراحل سے گزرنا پڑا۔ انھوں نے زندگی کو ہر رنگ سے دیکھا اور برتا۔ انھوں نے زندگی کے تضادات اور معاشرتی ناہمواریوں کو نہ صرف قریب سے دیکھا بلکہ ان سے متاثر بھی ہوتے رہے۔ ان کی زندگی شروع سے آخر تک مصائب اور مشکلات کا شکار رہی۔

مرزا محمود سرحدی نے شاعری کا آغاز غزل سے کیا مگر جلد ہی وہ طنز و مزاح کے میدان میں آ نکلے۔ ان کا یہ رنگ ان کے قطعات میں کھل کر ہمارے سامنے آتا ہے۔ مرزا محمود سرحدی ہمارے معاشرے کے بے باک نقاد اور ماہر جراح ہیں۔ ان کے کلام میں بے ساختگی اور رسیلا پن ہے، جو بناوٹ اور آورد سے پاک ہے۔ انھوں نے اکبر الٰہ آبادی کے طنزیہ و مزاحیہ انداز کی تقلید کی ہے اور اسی وجہ سے اُنھیں "اکبرِ سرحد" بھی کہا جاتا ہے۔ اردو کے طنز نگار اور مزاح گو شاعروں میں انھیں ایک منفرد مقام حاصل ہے۔

تصانیف اندیشۂ شہر، سنگینے۔

awazeinqilab.com

مسلمانانِ الجزائر

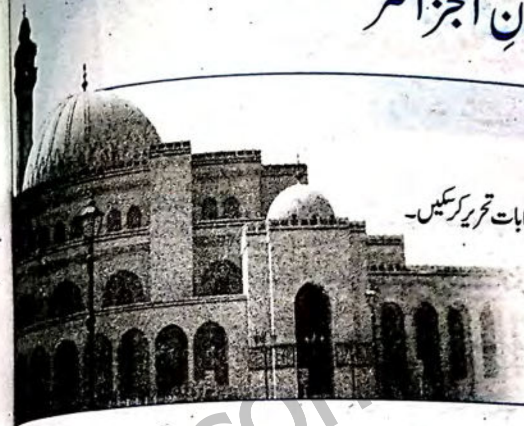

حاصلاتِ تعلّم

اِس نظم کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ نظم کے متن کو سمجھ کر حقائق پر مبنی سوالات کے جوابات تحریر کر سکیں۔
۲۔ نظم کے طنزیہ پہلوؤں کا ادراک کر سکیں۔
۳۔ نظم کے اشعار کی تشریح کر سکیں۔
۴۔ اشعار میں موجود مرکبات کی نشاندہی کر سکیں۔

الجزائر کے مسلمانو! خبر بھی ہے تمھیں
شمعِ آزادی کے پروانو! خبر بھی ہے تمھیں

چین آتا ہے کسی طور نہ آرام ہمیں
فکر رہتی ہے تمھاری سحر و شام ہمیں

سوچتے ہیں کہ تمھارے لیے کیا کام کریں
یہ تو ہم سے نہیں ممکن کہ وہاں جاکے مریں

مالی امداد میں سچ ہے بڑے مشہور ہیں ہم
لیکن اب ٹیکس ہی اتنے ہیں کہ مجبور ہیں ہم

تھا دعاؤں پہ ہمیں آسرا وہ بھی نہ رہا
کیونکہ ان کا بھی اثر ہوتا ہے اکثر الٹا

awazeinqilab.com

احتجاجوں کے لیے کہیے تو انکار نہیں
ورنہ ہم لوگ کسی حال میں تیار نہیں

ہم سے تو بس یہی ممکن ہے کہ تقریریں کریں
یا فرانسیسیوں کے ظلم کی تفسیریں کریں
اور تم لڑتے رہو ، لڑتے رہو ، لڑتے رہو

(اندیشۂ شہر)

نوٹ

یہ طنزیہ اور مزاحیہ نظم اُن دنوں لکھی گئی تھی جب الجزائری مسلمان فرانسیسیوں سے آزادی حاصل کرنے کے لیے مصروفِ جہاد تھے۔

مشق

۱۔ شاعر نے اس نظم کے ذریعے ہمارے قومی مزاج کا کون سا پہلو اُجاگر کیا ہے؟

۲۔ درست الفاظ کی مدد سے مصرعے مکمل کریں۔

الف۔ لیکن اب ________ ہی اتنے ہیں کہ مجبور ہیں ہم
ب۔ تھا ________ پہ ہمیں آسرا وہ بھی نہ رہا
ج۔ ہم سے تو بس یہی ممکن ہے کہ ________ کریں
د۔ ________ کے لیے کہیے تو انکار نہیں
ہ۔ اور تم لڑتے رہو، لڑتے رہو ________

۳۔ اس نظم کا خلاصہ اپنے الفاظ میں لکھیں۔

۴۔ مرکبات کی پہچان کریں۔

شمعِ آزادی ، سحر و شام ، بڑے مشہور ، الجزائر کے مسلمانو

۵۔ درست جواب کا انتخاب کریں۔

ا۔ مرزا محمود سرحدی پیدا ہوئے:

(i) پشاور (ii) کوہاٹ (iii) لاہور (iv) لکھنؤ

ب۔ مرزا محمود سرحد کو کہتے ہیں:

(i) شاعرِ مشرق (ii) شاعرِ فطرت (iii) اکبرِ سرحد (iv) شاعرِ مزدور

ج۔ شاعر کے مطابق ہم مشہور ہیں:

(i) کھیلنے میں (ii) جیتنے میں (iii) باتوں میں (iv) مالی امداد میں

د۔ ہمیں آسرا تھا:

(i) دعاؤں پر (ii) دواؤں پر (iii) سپاہیوں پر (iv) خود پر

ہ۔ ہماری قوم کو انکار نہیں:

(i) جہاد کے لیے (ii) امداد کے لیے (iii) احتجاج کے لیے (iv) قربانی کے لیے

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ کمپیوٹر کا استعمال کرتے ہوئے انٹرنیٹ سے الجزائر کی جنگ آزادی کے متعلق معلومات حاصل کریں اور چیدہ چیدہ باتیں اپنی کاپی میں درج کریں۔

۲۔ طلبہ "جہاد فی سبیل اللہ" کے عنوان کے تحت دو صفحے کا مضمون لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذۂ کرام

۱۔ طلبہ کو جہاد کی اہمیت اور فرضیت قرآن و سنت کی روشنی میں سمجھائیں۔

۲۔ طلبہ کو "سورۃ الحج" کی آیت متعلقہ حکم جہاد پڑھ کر سُنائی جائے۔ اور اِس حوالے سے حق و باطل کے پہلے معرکے "جنگِ بدر" کے متعلق معلومات فراہم کی جائیں۔ اِس سلسلے میں حفیظ جالندھری کے "شاہنامۂ اِسلام" کی نظم "اِذنِ جہاد" سے بھی استفادہ کریں۔

حصّہ غزل

غزل:

اصطلاحِ شعر و سخن میں غزل سے مراد شاعری کی وہ صنف ہے جس میں معاملاتِ حُسن و عشق کا بیان خلوصِ دل کے ساتھ ایک خاص آہنگ میں کیا جاتا ہے۔ دل کے جذبات کا اظہار، ہجر و وصال کی کیفیات، شکایاتِ زمانہ اور تصوّف، غرض ہر طرح کا موضوع غزل میں بیان کیا جا سکتا ہے۔ غزل کا پہلا شعر مطلع جب کہ آخری مقطع کہلاتا ہے اور غزل کے بہترین شعر کو بیت الغزل کہتے ہیں۔ غزل کا ہر شعر موضوع اور خیال کے اعتبار سے مختلف ہوتا ہے۔ غزل کے اشعار کی کم از کم تعداد پانچ ہوتی ہے جب کہ زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد مقرر نہیں۔

غزل اور نظم میں فرق:

غزل اور نظم کا واضح فرق یہ ہے کہ نظم کسی مسلسل خیال یا موضوع کی وضاحت کرتی ہے جب کہ غزل کا ہر شعر اپنی جگہ ایک مستقل اکائی کی حیثیت رکھتا ہے۔ نظم کی ہیئت اور ساخت کے اعتبار سے کئی صورتیں (قسمیں) ہیں جب کہ غزل ایک ہی ہیئت اور ساخت میں لکھی جاتی ہے۔ نظم کے مقابلے میں غزل ایک فصیح صنفِ سخن ہے۔ بقولِ الطاف حسین حالی:

"جس آسانی سے غزل کے اشعار یاد ہو سکتے ہیں کوئی کلام یاد نہیں ہو سکتا"۔

awazeinqilab.com

حسرتؔ موہانی

ولادت: ۱۸۷۵ء / وفات: ۱۹۵۱ء

حسرتؔ موہانی کا اصل نام سید فضل الحسن تھا۔ وہ یوپی کے ضلع اناؤ کے قصبے موہان میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام سید اظہر حسن تھا۔ حسرت موہانی نے فتح پور سے میٹرک کا امتحان پاس کیا۔ باقی تعلیم علی گڑھ کالج میں حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں ملک کے سیاسی معاملات میں حصہ لینے کی بنا پر انھیں باغی قرار دے دیا گیا اور قیدِ بامشقت کی سزا ملی۔ وہ درویش صِفت انسان تھے۔ بہت سادہ زندگی گزارتے تھے۔

حسرتؔ ایک بے باک اور نڈر انسان تھے۔ وہ ہر بات کو بے ساختہ کہنے کے عادی تھے۔ روانی اور سلاست ان کے کلام کی نمایاں خوبی ہے۔ بیان میں شگفتگی ہے۔ ان کی شاعری موسیقی اور ترنّم کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ جذبات واحساسات کی فراوانی سے ان کا کلام مالا مال ہے۔ انھوں نے روایت اور نئے تقاضوں کو ملا کر غزل میں وسعت پیدا کی۔ ان کی غزل میں عشق ومحبت کی رنگین فضا پائی جاتی ہے۔ کہیں کہیں سیاسی رنگ اور قید وبند کی مشقت کی جھلک بھی ان کے کلام میں نظر آجاتی ہے۔

نعت گوئی میں بھی ان کا مقام بہت بلند ہے۔ انھیں رئیس المُتَغَزِّلِین کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کے ہاں الفاظ کا اُلٹ پھیر نہیں۔ بیان کی شگفتگی، خیال کی جولانی، عشق کی رنگینی اور حسن کی رعنائی میں ان کا کلام لاجواب ہے۔ حسنِ بندش، جدّتِ تخیل اور دردِ عشق کے اعتبار سے ان کی غزل اپنے ہم عصروں میں ایک ممتاز حیثیت رکھتی ہے۔

تصانیف: کلیاتِ حسرتؔ۔ شرحِ دیوانِ غالب۔ مشاہداتِ زنداں۔ انتخابِ حسن۔ کلامِ حسرتؔ وغیرہ۔

غزل (۱)

حاصلاتِ تعلّم

اِن غزلیات کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہوجائیں گے کہ وہ:

۱۔ غزل کی تعریف بیان کرسکیں۔
۲۔ غزل اور نظم میں ہیئت کے لحاظ سے امتیاز سے فرق کر سکیں۔
۳۔ غزل میں شعری اصطلاحات کی نشاندہی کرسکیں۔
۴۔ متن کی بہتر تفہیم کے لیے غزل کے فنی لوازمات اور ارتقائی منازل سے آگاہی حاصل کرسکیں۔

نگاہِ یار جسے آشنائے راز کرے
وہ اپنی خوبیٔ قسمت پہ کیوں نہ ناز کرے

دلوں کو فکرِ دو عالم سے کردیا آزاد
ترے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

خِرَد کا نام جنوں پڑگیا جنوں کا خِرَد
جو چاہے آپ کا حسنِ کرشمہ ساز کرے

غمِ جہاں سے جسے ہو فراغ کی خواہش
وہ ان کے دردِ محبت سے ساز باز کرے

ترے کرم کا سزا وار تو نہیں حسرتؔ
اب آگے تیری خوشی ہے جو سرفراز کرے

(کلیات حسرتؔ موہانی)

awazeinqilab.com

غزل (۲)

تجھ کو پاسِ وفا ذرا نہ ہوا
ہم سے پھر بھی ترا گِلہ نہ ہُوا

ایسے بگڑے کہ پھر جفا بھی نہ کی
دشمنی کا بھی حق ادا نہ ہُوا

کٹ گئی احتیاطِ عشق میں عُمر
ہم سے اظہارِ مدّعا نہ ہُوا

حیف ہے اس کی بادشاہی پر
تیرے کُوچے کا جو گدا نہ ہُوا

عشقِ حسرتؔ کے سب ہُوئے قائل
ایک وہ دشمنِ وفا نہ ہُوا

(کلیاتِ حسرتؔ موہانی)

مشق

۱۔ درج ذیل مصرعے مکمل کریں۔

الف) وہ اپنی خوبیٔ قسمت ______

ب۔ اب آگے تیری خوشی ہے ______

ج۔ ایسے بگڑے کہ ______

د۔ تیرے کُوچے کا ______

۲۔ ان الفاظ و تراکیب کو اپنے جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہو جائے۔
خوبیٔ قسمت، سرفراز، جنوں، مدعا، حَیف، جفاکار۔

۳۔ غزل نمبر (۱) کے قافیوں کی نشاندہی کریں۔

۴۔ غزل نمبر (۲) کی ردیف لکھیں۔

۵۔ مطلع غزل کے پہلے شعر کو کہا جاتا ہے جس کے دونوں مصرعے ہم قافیہ وہم ردیف ہوتے ہیں اور مقطع غزل کے آخری شعر کو کہا جاتا ہے جس میں شاعر اپنا تخلّص استعمال کرتا ہے۔ آپ غزل نمبر (۱) کا مطلع اور غزل نمبر (۲) کا مقطع لکھیں۔

۶۔ آپ کنایہ کی مزید دو مثالیں دیں۔ *

* کنایہ: کنایہ کے لغوی معنی پوشیدہ بات یا رمز و اشارہ کرنے کے ہیں۔ علم بیان کی اصطلاح میں جب کوئی لفظ اپنے مجازی معنوں میں اس طرح استعمال ہو کہ اس کے حقیقی معنی بھی مراد لیے جاسکیں تو اسے کنایہ کہا جاتا ہے۔ جیسے کسی بوڑھے انسان کے لیے ''سفید ریش''، یا متوسط طبقے کے کسی فرد کے لیے ''سفید پوش'' کا لفظ استعمال کرنا۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ مولانا حسرتؔ موہانی کی دونوں غزلیات کو مدِّ نظر رکھ کر اُن کی شاعری پر تنقیدی نوٹ اپنی کاپی میں تحریر کریں۔

۲۔ طلبہ اُستاد صاحب/اُستانی صاحبہ کی موجودگی میں حسرتؔ موہانی کی کوئی ایک غزل ترنّم کے ساتھ کمرۂ جماعت میں پڑھ کر سُنائیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ ہے مشقِ سخن جاری چکّی کی مشقت بھی
اِک طُرفہ تماشا ہے حسرتؔ کی طبیعت بھی

اس شعر کی روشنی میں طلبہ کو حسرتؔ موہانی کی زندگی کے بارے میں معلومات فراہم کریں۔

۲۔ کمرۂ جماعت میں طلبہ کو باری باری اِن کے من پسند اشعار سُنانے کو کہیں اور حوصلہ افزائی کریں۔

awazeinqilab.com

علی سکندر جگر مراد آبادی

ولادت: ۱۸۹۰ء // وفات: ۱۹۵۲ء

جگر مراد آبادی مراد آباد بھارت میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام علی نذر تھا۔ ان کے دادا، والد، چچا اور بھائی بھی شاعر تھے۔ جگر نے میٹرک تک تعلیم حاصل کی۔ وہ اعلیٰ تعلیم یافتہ نہ تھے لیکن فارسی بخوبی جانتے تھے۔ تلاشِ معاش کے سلسلے میں وطن سے نکلے اور ایک طویل مدت تک آگرہ، گونڈہ، مین پور، لکھنؤ، الٰہ آباد اور بھوپال میں مقیم رہے۔ اسی دوران میں ان کی دوستی مشہور شاعر اصغر گونڈوی سے ہوئی جو بعد میں رشتے داری میں بدل گئی۔

جگر اردو کے ان شاعروں میں شامل ہیں جن کو پڑھا بھی گیا اور سنا بھی گیا۔ جگر حسن کے شیدائی تھے اور جمالیاتی دل و دماغ رکھتے تھے۔ وہ ایک فطری شاعر تھے۔ حسرت، اصغر اور فانی کے ساتھ ان کا شمار بھی اس دور کے بہترین اور جدید غزل گو شعرا میں ہوتا ہے۔ ان کی شاعری جذبات و احساسات کی شاعری ہے۔ اگرچہ ان کے ہاں فلسفیانہ خیالات اور تصوف بھی پایا جاتا ہے لیکن وہ خالص حسن و عشق اور جوانی کے شاعر ہیں۔ ان کی غزلیں غنائیت سے بھرپور ہیں۔ وہ مشاعروں میں مسحور کُن انداز میں ترنّم سے غزل پڑھتے اور سب پر چھا جاتے۔ ان کے ہاں قنوطیت نہیں بلکہ نشاط اور امید جھلکتی ہے۔ وہ ایک درویش صفت انسان تھے اور یہی کیفیت ان کی شاعری میں موجود ہے۔

تصانیف شعلۂ طور، جذباتِ جگر، تخیلاتِ جگر، نغماتِ جگر، دردِ جگر، آتشِ گل وغیرہ۔

Not For Sale

غزل (۱)

حاصلاتِ تعلّم

اِن غزلیات کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ غزل کے متن کو سمجھ کر اس سے متعلقہ سوالات کے جوابات تحریر کر سکیں۔
۲۔ گروہی مباحثوں اور سوال و جواب کے ذریعے اشعار کے مختلف پہلوؤں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ لے سکیں۔
۳۔ شاعر کی زبان اور اسلوب سے آگاہ ہو سکیں۔
۴۔ شاعری میں صنائع و بدائع کی اہمیت کو جان سکیں۔

کسی صورت نمودِ سوزِ پنہانی نہیں جاتی
بجھا جاتا ہے دل، چہرے کی تابانی نہیں جاتی

نہیں جاتی کہاں تک فکرِ انسانی نہیں جاتی
مگر اپنی حقیقت آپ پہچانی نہیں جاتی

صداقت ہو تو دل سینوں سے کھنچنے لگتے ہیں واعظ
حقیقت خود کو منوا لیتی ہے مانی نہیں جاتی

Not For Sale

awazeinqilab.com

جسے رونق ترے قدموں نے دے کر، چھین لی رونق
وہ لاکھ آباد ہو اس گھر کی ویرانی نہیں جاتی

نہیں معلوم کس عالم میں حسنِ یار دیکھا تھا
کوئی عالم ہو لیکن دل کی حیرانی نہیں جاتی

محبت میں اک ایسا وقت بھی دل پر گزرتا ہے
کہ آنسو خشک ہو جاتے ہیں طغیانی نہیں جاتی

جگرؔ وہ بھی زِ سَر تا پا محبت ہی محبت ہیں
مگر ان کی ُبت صاف پہچانی نہیں جاتی

(دیوانِ جگرؔ)

awazeinqilab.com

غزل (۲)

محبت صلح بھی، پیکار بھی ہے
یہ شاخِ گل بھی ہے، تلوار بھی ہے

طبیعت عشق کی خوددار بھی ہے
اُدھر نازک مزاجِ یار بھی ہے

یہ فتنے جن سے اک دنیا ہے نالاں
اِنھی سے گرمیٔ بازار بھی ہے

اسی انسان میں سب کچھ ہے پنہاں
مگر یہ معرفت دشوار بھی ہے

خبردار! اے سبک سارانِ ساحل
یہی ساحل کبھی منجدھار بھی ہے

یہی دنیا ہے بستی آنسوؤں کی
یہی دنیا تبسّم زار بھی ہے

اُن آنکھوں کی زہے معجز بیانی
بہم انکار بھی، اقرار بھی ہے

(دیوانِ جگرؔ)

مشق

۱۔ خالی جگہ پُر کریں۔

ا۔ غزل کے پہلے شعر کو ________ کہتے ہیں۔

ب۔ شاعر اپنا تخلّص غزل کے ________ شعر میں لاتا ہے۔

ج۔ غزل کے ہر دوسرے مصرعے کے آخر میں آنے والے ہم وزن الفاظ کو ________ کہتے ہیں۔

د۔ تبسّم زار میں "زار" ________ ہے۔

۲۔ حق شناسی میں "شناسی" لاحقہ ہے۔ درج ذیل الفاظ کے آخر میں یہی لاحقہ لگا کر نئے الفاظ بنائیں اور ان کے معنی لکھیں۔

خدا۔ فرض۔ قدر۔ سخن۔ خود۔ ادا۔ موقع۔

۳۔ پہلی غزل کے مطلع اور مقطع کی نشاندہی کریں۔

۴۔ غزل نمبر(۱) کے قافیے تحریر کریں۔

۵۔ غزل نمبر(۲) کی ردیف بتائیں۔

۶۔ درج ذیل کے متضاد لکھیں۔

حقیقت، آباد، نادانی، خشک، محبت۔

سرگرمیاں

ا۔ طلبہ اپنی کاپی میں غزل اور نظم کے فرق کو مثالوں کی مدد سے واضح کریں۔

۲۔ طلبہ سکول کی لائبریری میں کسی ادبی رسالے سے اپنی پسند کے پانچ اشعار کاپی میں لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

ا۔ طلبہ کو علمِ بیان اور علمِ بدیع کا فرق مثالوں کی مدد سے سمجھائیں۔

۲۔ سکول کی سطح پر ایک بیت بازی کا مقابلہ کرائیں اور طلبہ کو اِس میں بڑھ چڑھ کر حصّہ لینے کی ترغیب دیں۔

Not For Sale

فِراؔق گورکھپوری

ولادت: ۱۸۹۶ء // وفات: ۱۹۸۳ء

رگھوپتی سہائے فِراؔق گورکھپوری کا تعلق ایک خوشحال اور تعلیم یافتہ گھرانے سے تھا۔ فراؔق نے ابتدا میں عربی، فارسی اور ہندی کی تعلیم حاصل کی۔ نو سال کی عمر میں ماڈرن سکول میں داخل ہوئے۔ اعلیٰ تعلیم اِلٰہ آباد سے حاصل کی۔ کچھ عرصہ سرکاری ملازمت کی۔ پھر تحریکِ آزادی سے وابستہ ہونے کی وجہ سے ملازمت ترک کی۔ ۱۹۲۰ء میں آگرہ یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم۔اے کیا اور پھر الٰہ آباد یونیورسٹی میں ملازمت اختیار کی اور یہیں سے سبک دوش ہوئے۔

فراؔق نہ صرف بلند پایہ شاعر بلکہ ایک اچھے نقّاد اور افسانہ نگار بھی تھے۔ تاہم وہ غزل گوئی میں اہم مقام رکھتے ہیں۔ ان کی غزلیں انفرادی رنگ لیے ہوئے ہیں۔ ان کے ہاں جمالیاتی مضامین میں بھی نفسیاتی رنگ اور گہری بصیرت ملتی ہے۔ فراؔق کے ہاں انگریزی کی رومانی شاعری کا کیف ملتا ہے۔ چنانچہ وہ فطرت کے مظاہر کو ایک خاص رنگ میں دیکھتے ہیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے اپنے بزرگوں سے بہت کچھ سیکھا۔ میر تقی میرؔ، مصحفیؔ، جرأتؔ، غالبؔ سب ان کی نگاہ میں تھے۔ ان کے فکر وفن کی انفرادیت ایسی تمام شاعری سے رشتہ جوڑتی ہے جو عالمی ادب کا وِرثہ رہا ہے۔ لیکن فراؔق کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے اساتذۂ فن کی پیروی نہیں کی بلکہ غزل کے پرانے سانچوں سے انحراف کرتے ہوئے اپنے لیے الگ راستہ نکالا۔

تصانیف: نغمہ ساز۔ غزلستان ۔ شبِستان ۔ رمز وکنایات ۔ اُردو کی عشقیہ شاعری ۔ روحِ کائنات ۔ دھرتی کی کروٹ۔ گلبانگ ۔ اُردو غزل گوئی ۔ اندازے ۔ حاشیے ۔ گلِ نغمہ وغیرہ۔

Not For Sale

awazeinqilab.com

غزل (۱)

حاصلاتِ تعلم

اِن غزلیات کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ کسی شعری کلام کے بارے میں اپنے تاثرات کا اظہار کر سکیں۔
۲۔ شعری متن کی بار بار خواندگی کر کے اِس کے آہنگ اور متن کی معنویت کو سمجھ سکیں۔
۳۔ غزل کے اشعار کی تشریح کر سکیں۔
۴۔ علمی و ادبی مطالعہ کو عملی زندگی کا حصہ بنا سکیں۔
۵۔ کسی تحریر کے مرکزی خیال، اہم نکات، فکری و معنوی خوبیوں کو بیان کر سکیں۔
۶۔ اشعار میں متعدد عناصر کو تلاش کر سکیں۔

بچھڑ گیا ہوں مگر کارواں سے دُور نہیں
یہ خاک قافلۂ رفتگاں سے دور نہیں

وہ منزلیں مری جولاں گہِ محبت ہیں
جہاں زمان و مکاں لامکاں سے دور نہیں

سکوتِ غنچۂ لب، رشکِ صد پیامِ وصال
تری نہیں سے قریں بھی ہے ہاں سے دور نہیں

ترا کلام بھی خاموشیوں کا حامل ہے
مرا سکوت بھی لفظ و بیاں سے دور نہیں

اسی کو سینے سے اپنے لگائے پھرتا ہوں
وہ ایک غم جو غمِ رفتگاں سے دور نہیں

فراقؔ ازل سے بہاریں ہیں منتظر جس کی
وہ گلستاں مرے زخمِ نہاں سے دور نہیں

(دیوانِ فراقؔ)

awazeinqilab.com

غزل (۲)

شامِ غم کچھ اس سراپا ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے راز کی باتیں کرو

ہر رگِ دل، وجد میں آتی رہے، دکھتی رہے
یوں ہی اُس کے جا و بے جا ناز کی باتیں کرو

جو عدم کی جان ہے جو ہے پیامِ زندگی
اس سکوتِ راز، اس آواز کی باتیں کرو

نام بھی لیتا ہے جس کا اک جہانِ رنگ و بو
دوستو! اس نوبہارِ ناز کی باتیں کرو

جو حیاتِ جاوداں ہے جو ہے مرگِ ناگہاں
آج کچھ اس ناز اس انداز کی باتیں کرو

عشقِ بے پروا بھی اب کچھ ناشکیبا ہو چلا
شوخیٔ حسنِ کرشمہ ساز کی باتیں کرو!

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراقؔ
آج اُس "عیسیٰ نفس دم ساز" کی باتیں کرو

(دیوانِ فراقؔ)

مشق

۱۔ صنعتِ تلمیح کی تعریف کریں اور درج ذیل مصرعے میں تلمیح کی وضاحت کریں۔

ع آج اس عیسیٰ نفس دم ساز کی باتیں کرو

۲۔ "بے خودی" میں "بے" سابقہ ہے۔ آپ درج ذیل سابقوں سے نئے الفاظ بنائیں۔

نا ، خوش ، پُر ، ہم۔

۳۔ درج ذیل قواعد کی رُو سے کس قسم کے مرکبات ہیں۔

زمان و مکاں، عدم کی جاں، رگِ دل، وہ منزلیں، ازل سے۔

۴۔ درج ذیل الفاظ و تراکیب کو جملوں میں استعمال کریں۔

حیاتِ جاوداں، فرقت، کایا، دم ساز، پیامِ زندگی، وجد، عدم، چشمِ پرنم۔

۵۔ پہلی غزل کے مطلع میں "کارواں" اور "خاک" سے شاعر کی کیا مُراد ہے؟

۶۔ درج ذیل کے متضاد لکھیں۔

دور، مکاں، وصال، غم، ازل۔

سرگرمیاں

۱۔ اُردو شاعری میں نظم و نثر کے حوالے سے کئی ایک غیر مسلم ادبا اور شعرا کے نام قابلِ قدر ہیں۔ آپ ایسے چند غیر مسلم ادبا اور شعرا کے نام اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ طلبہ اپنی کاپی میں تین ایسے اشعار لکھیں جن میں صنعتِ تلمیح کا استعمال ہوا ہو۔ نیز ان تلمیحات کی وضاحت بھی کریں۔

ہدایات برائے اساتذہ کرام

۱۔ طلبہ کو اُن غیر مسلم ادبا اور شعرا کے متعلق بتائیں جو اُردو ادب میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔

۲۔ طلبہ کو مثالوں کی مدد سے صنعتِ تلمیح اور صنعتِ تلمیع کا فرق واضح کریں۔

awazeinqilab.com

آدا جعفری

ولادت: ۱۹۲۴ء // وفات: ۲۰۱۵ء

ان کا اصل نام عزیز جہاں، تخلص آدا اور قلمی نام آدا جعفری ہے۔ وہ بدایوں میں پیدا ہوئیں۔ ان کے والد کا نام مولوی بدر الحسن تھا۔ خاندانی روایات کے مطابق نجی طور پر تعلیم حاصل کی۔ عہدِ حاضر میں ان کا شمار بلند پایہ شاعرات میں ہوتا ہے۔ ان کی سخن سرائی کا آغاز دوسری جنگِ عظیم اور پاک و ہند تحریک آزادی کے پُرآشوب زمانے میں ہوا۔ ابتدا میں وہ آدا بدایونی کے نام سے شعر کہتی تھیں۔ نورالحسن جعفری سے شادی کے بعد آدا جعفری بن گئیں۔ آدا نے ایسے شہر میں جنم لیا جسے ادبی دنیا میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ شہرِ سخن کی فضا کا ایسا اثر ہوا کہ وہ بھی ایک معروف شاعرہ بن گئیں۔ آدا نے جب اپنی شاعری کا باقاعدہ آغاز کیا تو اختر شیرانی اور نواب مرزا جعفر علی خان آثر لکھنوی سے اصلاح لیتی تھیں۔ ان دنوں آزاد نظم کا نیا نیا رواج ہوا تو آدا نے آزاد شاعری میں بھی طبع آزمائی کی۔

آدا جعفری کو ان کے شعری مجموعے ''شہرِ درد'' پر ادبی انعام سے نوازا گیا۔ کئی ملکوں میں ادبی کانفرنسوں میں شرکت کی۔ حکومتِ پاکستان نے اُنھیں ''تمغۂ امتیاز'' دیا۔

تصانیف میں ساز ڈھونڈتی رہی، شہرِ درد، غزالاں تم تو واقف ہو، سازِ سخن بہانہ ہے، موسم موسم وغیرہ۔

غزل (۱)

حاصلاتِ تعلم

اِن غزلیات کی تکمیل کے بعد طلبہ اِس قابل ہو جائیں گے کہ وہ:

۱۔ ذخیرۂ الفاظ میں اضافے سے اپنی تحریروں اور اسلوب کو بہتر بناسکیں۔
۲۔ غزل کی فنی اصطلاحات؛ تشبیہ، استعارہ، کنایہ اور مجازِ مرسل کی نشاندہی کرسکیں۔
۳۔ ادب اور زندگی کے تعلق کو اپنی شخصیت کے اظہار کے حوالے سے جان سکیں۔
۴۔ اپنی تحریروں کو مختلف اندازِ بیان یا محضر کے لحاظ سے تحریر کرسکیں۔

ہونٹوں پہ کبھی ان کے مرا نام ہی آئے
آئے تو سہی، بر سرِ الزام ہی آئے

حیران ہیں، لب بستہ ہیں، دلگیر ہیں غنچے
خوشبو کی زبانی ترا پیغام ہی آئے

لمحاتِ مسرّت ہیں تصوّر سے گریزاں
یاد آئے ہیں جب بھی غم و آلام ہی آئے

تاروں سے سجائیں گے رہِ شہرِ تمنّا
مقدور نہیں صبح، چلو شام ہی آئے

کیا راہ بدلنے کا گلہ ہم سفروں سے
جس رہ سے چلے تیرے در و بام ہی آئے

تھک ہار کے بیٹھے ہیں سرِ کوئے تمنّا
کام آئے تو پھر جذبۂ ناکام ہی آئے

باقی نہ رہے ساکھ اداؔ دشتِ جنوں کی
دل میں اگر اندیشۂ انجام ہی آئے

(شہرِ درد)

غزل (۲)

کیا جانیے کس بات پہ مغرور رہی ہوں
کہنے کو تو جس راہ چلایا ہے، چلی ہوں

تم پاس نہیں ہو تو عجب حال ہے دل کا
یوں جیسے میں کچھ رکھ کے کہیں بھول گئی ہوں

تیرے لیے تقدیر مری جنبشِ ابرو
اور میں ترا ایمائے نظر دیکھ رہی ہوں

صدیوں سے مرے پاؤں تلے جنتِ انساں
میں جنتِ انساں کا پتا پوچھ رہی ہوں

دل کو تو یہ کہتے ہیں کہ بس قطرۂ خوں ہے
کس آس پہ، اے سنگِ سرِ راہ چلی ہوں

قسمت کے کھلونے ہیں اجالا کہ اندھیرا
دل شعلہ طلب تھا سو بہر حال جلی ہوں

(شہرِ درد)

مشق

۱۔ درج ذیل الفاظ ومرکبات کو جملوں میں اس طرح استعمال کریں کہ ان کا مطلب واضح ہوجائے۔

دیگر، در و بام ، ہم سفر، جنتِ انساں ، قطرۂ خون، بہرحال۔

۲۔ اداؔ جعفری کی چند تصانیف کے نام تعارف میں دیے گئے ہیں۔آپ علّامہ اقبال کی چند تصانیف کے نام لکھیں۔

awazeinqilab.com

۳۔ درج ذیل الفاظ کے مترادف لکھیں۔

ہونٹ ، تصوّر ، بام ، دشت ، شبنم ، جنبش ، سنگ ، جنّت ، اُجالا۔

۴۔ درج ذیل الفاظ کے متضاد لکھیں۔

مسرت، ویران، صبح، ہار، جنت، افسردہ، آخری، آس۔

۵۔ درج ذیل کس قسم کے مرکبات ہیں۔

غم و آلام۔ قطرۂ خوں ۔ ویران گزرگاہ۔ ماضی کے دھندلکے۔

۶۔ پہلی غزل کے قافیے اور ردیف لکھیں۔

۷۔ پہلی غزل کا مطلع لکھیں۔

۸۔ دوسری غزل کے چوتھے شعر کی تشریح کریں۔

سرگرمیاں

۱۔ طلبہ اُردو کی پانچ خواتین شعرا کے نام اپنی کاپی میں لکھیں۔

۲۔ ادا جعفری کے شعری محاسن اور اسلوب پر تنقیدی نوٹ لکھیں۔

۳۔ ع ''صدیوں سے مرے پاؤں تلے جنّتِ انساں''

ادا جعفری نے اس مصرعے میں ''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے''۔ کا مفہوم بیان کیا ہے طلبہ ماں کی خدمت پر مفصل مضمون لکھیں۔

ہدایات برائے اساتذۂ کرام

۱۔ اُردو شاعری میں ادا جعفری کا مقام و مرتبہ متعین کرائیں۔

۲۔ ''جنت ماؤں کے قدموں تلے ہے'' کی روشنی میں طلبہ کو ماؤں کی عظمت پر مفصل لیکچر دیں۔

۳۔ اُردو شاعری میں مرد شعرا کے علاوہ خواتین شعرا نے بھی نام پیدا کیا ہے۔ طلبہ کو چند خواتین شعرا کے متعلق معلومات فراہم کریں۔

فرہنگ

حصۂ نثر

مولوی عبدالحق

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اچنبھا	حیرت	کے گز	کتنے گز
انجمن	محفل/انجمن ترقی اردو		
خارج البلد	شہر سے نکالے گئے	لاگو	پیچھے پڑنا
دارالترجمہ	وہ جگہ جہاں کسی ایک زبان سے دوسری زبان میں کتابوں کا ترجمہ ہوتا ہے۔	مدافعت	بچاؤ
دیوہیکل	لمبا چوڑا، دیو جیسی جسامت	مشی	چہل قدمی
ناک کا بال ہونا	بہت زیادہ قریب اور عزیز ہونا	مقربین	قریبی دوست
طریقت	طریقہ انداز، راستہ	نقاہت	کمزوری

پرنانی

الفاظ	معانی	الفاظ	معانی
اقلیدس (Euclid)	یونانی ماہر ریاضیات جنھوں نے جیومیٹری پر اہم کام کیا	غدر	۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی، جسے انگریز اور ہندو غدر یا بغاوت کہتے تھے
انہماک	غور، توجہ	فضیحت	بدنامی، رسوائی، ذلت
اَنمل	بے جوڑ	کُٹُم	خاندان، کنبہ
پکاپان ہے	قریب المرگ ہے۔	کھٹیا	چھوٹی چارپائی
دقیانوسی	پرانی/پرانے	قبالہ	ملکیت کی دستاویز
دلائی	رضائی، لحاف	گُرگُودڑ	پھٹے پرانے کپڑے

awazeinqilab.com

داشتہ آید بکار	شاید کہیں کام آ جائے/رکھی ہوئی چیز کام آ ہی جاتی ہے۔
ٹپٹانا	پریشان ہونا، سمجھ میں نہ آنا
لنڈ منڈ	ایسا درخت جس کی شاخیں اور پھل پھول ختم ہو چکے ہوں۔
ہبہ نامہ	وہ دستاویز جس میں کسی چیز کو تحفتاً دینے کا اقرار ہو۔

علامہ اقبالؒ کا تصورِ وطنیت

اقتباس	کسی تحریر یا عبارت کا ٹکڑا
پرستش	عبادت، پوجا
تدریجی	درجہ بدرجہ
خطۂ ارض	زمین کا ٹکڑا
داعی	دعوت دینے والا، بلانے والا
دھرتی پوجا	وطن کی محبت
ربط	تعلق
زمان	زمانہ، وقت
شعوب	گروہ، قبیلہ
کنعاں	حضرت یوسفؑ کا وطن
قیود	قید کی جمع/حدود
لونی	رنگ، رنگت
مبرا	بلند، مستثنیٰ
مجرد	غیر مادی وجود
مشابہت	ایک جیسا
مکان	کوئی خاص جگہ یا خطہ
ملت بیضا	روشن ملت (مرادِ ملتِ اسلامیہ)
مدافعت	بچاؤ، حفاظت کرنا
محور	مرکز
مغائرت	اجنبیت
نصب العین	اصل مقصد

مجھے میرے دوستوں سے بچاؤ

احباب	(حبیب کی جمع) دوست
ابنائے زمانہ	زمانے کے لوگ
اسپیچ	تقریر (Speech)
خصلت	عادت، فطرت
ریویو	تبصرہ
شقی القلب	سخت دل
غریب الوطن	اپنے وطن سے دور، پردیسی

ایک کہانی بڑی پرانی

بین	رونا
تیاگیوں	دنیا چھوڑنے والوں
پنہاری	غلہ پینے والی
سادھوؤں	فقیروں، جوگیوں
طنطنے	رعب داب
کوڑی کوڑی	پیسہ پیسہ
لکھیا	لکھ پتی
لت	بری عادت
صلہ	بدلہ

ماں کی نصیحت

پنجہ آزمائی	مقابلہ
چاروناچار	مجبوراً
دیدنی	دیکھنے کے قابل
زیر کرنا	ہرانا۔شکست دینا
سرشار	مست۔نشے میں چور
طیش	غصہ
گھٹنے ٹیکنا	شکست تسلیم کرنا
للکارا	دھمکایا۔آواز لگائی
منقش	نقش و نگار والا
پہلوتہی	ٹالنا۔انکار کرنا
دنگ	حیران
زیرک	عقل مند۔دانا
سرزد	ظاہر ہونا
سہم گیا	ڈر گیا
غلطاں	الجھا ہوا۔مبتلا
گویا ہوا	بولا۔مخاطب ہوا۔
مرعوب	رعب میں آنا
نالاں	تنگ

نام دیو مالی

استعداد	طاقت
باؤلی	ایک قسم کا کنواں (سیڑھیوں والا)
سینچائی	پودوں کو پانی دینا
سیندھی شراب	کھجور کی بنی شراب

awazeinqilab.com

بَیر	دشمنی، مخالفت
تلف	ضائع
تھانولا	کیاری
ٹانٹا	صحت مند، توانا
ٹھٹھ	گروہ، جتھہ
حساب کا دن	قیامت کا دن
ڈھیڑ	ہندوؤں کی ایک ذات جسے ایک نیچ قوم خیال کیا جاتا ہے۔
روگ	بیماری
سیوا	خدمت
کندن	خالص سونا
کوہکن	پہاڑ کھودنے والا، مراد فرہاد
قیس	مجنوں کا اصل نام تھا۔
مصنوعی	بناوٹی/وہ چیز جو انسان نے اپنے ہاتھوں یا مشین سے بنائی ہو۔
نظام	حیدرآباد دکن کے حکمران نظام کہلاتے تھے۔
ودیعت	عطا کرنا
یورش	حملہ

سرابِ منزل

اسماعیلیہ	مصر کا ایک شہر
اہلاً وسہلاً	خوش آمدید
السوڈان	ایک بحری جہاز کا نام۔
اِقامت گاہ	قیام گاہ، ٹھہرنے کی جگہ۔
بابِ جبریل	مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم کا ایک دروازہ
برتھ	لمبی سیٹ جس پر سویا بھی جا سکے۔
پسیجنا	دل نرم ہونا، غصہ اُترنا
تلبیہ	ایامِ حج میں لبیک کہنا۔
جبلِ رحمت	لفظی معانی رَحمت والا پہاڑ/ والی پہاڑی جہاں حضور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم نے خطبہ دیا۔
راسخ	سچا، مضبوط
سلہٹ	بنگلہ دیش کا ایک شہر
فِنجان	ایک خاص قسم کی پیالی
کوہِ طور	وہ پہاڑ جہاں حضرت موسیٰؑ، اللہ تعالیٰ سے کلام کیا کرتے تھے۔
لجاجت	منت، سماجت
معلّم	حجاج کرام کے ایک چھوٹے گروپ کا رہنما۔
مضطرب	بے چین، بے قرار
مزدلفہ	منیٰ اور عرفات کے درمیان ایک مقام۔
منیٰ	وہ مقام جہاں حج کے دنوں میں شیطان کو کنکر مارے جاتے ہیں۔

جمِ غفیر	لوگوں کا بڑا ہجوم
چشم زدن	فوراً، بہت تیزی سے، پلک جھپکتے میں
حدّت	گرمی
ڈھلان	اترائی، نشیب
میدانِ عرفات	مکہ سے نو میل دور ایک پہاڑی مقام جہاں حج کے دن حاجی قیام کرتے ہیں۔
نعمتِ غیر مترقبہ	وہ چیز جو غیر متوقع طور پر مل جائے/ وہ نعمت یا دولت جس کے حاصل ہونے کا گمان نہ ہو۔
نکسیر پھوٹنا	گرمی کی وجہ سے ناک سے خون آنا۔
وقوف کرنا	نو ذی الحج کو میدانِ عرفات میں قیام کرنا۔

استنبول

آرائش وتزئین	سجانا سنوارنا۔ سجاوٹ
بے کراں	وسیع۔ لامحدود
پچی کاری	نقش ونگار
جلیل القدر	معزز۔ بڑا۔ عظمت والا
سُرمئی	ہلکا سیاہ رنگ
شہرہ آفاق	دنیا بھر میں مشہور
فاتحانہ انداز	جیت کا انداز
کاشانہ	گھر
مندوبین	کانفرنس کے شرکا
محاصرہ	گھیراؤ
ایما	خواہش
پایۂ تکمیل	مکمل ہونا۔ پورا ہونا
جلوہ گر	نمایاں۔ ظاہر
دارالطعام	کھانا کھانے کا کمرہ
سنگِ جراحت	پھٹکری۔ سفید پتھر
صاحبِ تدبّر	عقل مند۔ غور وفکر کرنے والا
کارکنانِ قضا وقدر	قسمت کو تبدیل کرنے والے
کلیسا	چرچ۔ گرجا گھر۔ عیسائیوں کی عبادت گاہ
کھچاکھچ	مکمل بھرا ہوا
مخزن	خزانہ

awazeinqilab.com

مخطوطات	ہاتھ سے لکھی ہوئی کتابیں۔غیر شائع شدہ قلمی نسخہ	مرقع	تصویر
مدفون	دفن کیا گیا/پوشیدہ	مظہر	ظاہر ہونے کی جگہ
منہدم کرنا	گرا دینا	نوادر	قیمتی اشیا۔نادر اشیا
مرجعِ خیر و برکت	مرکز۔لوگوں کے رجوع کرنے کی جگہ		

مکاتیب غالبؔ

بلادِ شرقیہ	مشرقی شہر	روبکاری	عدالت میں پیش ہونا
بیڑی	پیروں میں ڈالنے والی زنجیر	زنہار	ہرگز
پایانِ کار	آخرکار	سایہ نشین	سایہ میں بیٹھنا
تغیر	تبدیلی	صحبتیں	مجلسیں، محفلیں
تلافی	کسی نقصان یا غلطی کا معاوضہ ادا کرنا۔	ضعیف	کمزور
توشہ	سامان	عالمِ ارواح	روحوں کی دنیا، قیامت کے بعد کی دنیا
تہنیت	مبارک باد	عالمِ آب و گل	پانی اور مٹی کی دنیا، مادی دنیا
ثمرِ نورس	تازہ رس دار پھل (یہاں مراد نوجوان)	عذر	بہانہ، معذرت
حکمِ رہائی	یہاں مراد دنیا سے رہائی یعنی موت ہے۔	فگار	زخمی
چرخِ کج رفتار	مراد بدقسمتی	حبس	جیل، قید خانہ
دائم الحبس	عمر قید	مسموع	سنا گیا، قبول کیا گیا
دید	دیکھنا	مغتنم	غنیمت

مکتوب رشید احمد صدیقی

اندیشہ	فکر، پریشانی	عافیت	سلامتی، بچاؤ

NOT FOR SALE

جھجکنا	شرم، حیا	گھلاوٹ	گھل مل جانا
خطہ	ٹکڑا	متعلقین	تعلق رکھنے والے
دفعتاً	اچانک	مستحق	حق دار
صلابت	سختی، مضبوطی، استحکام	ناگہان	اچانک

حصّہ نَظُم

آزادی

ایثار	قربانی	رہرو	مسافر
تحقیر	حقیر، کم حیثیت	زنداں	قید خانہ
تحیر	حیرت	زینت	خوبصورتی، زیبائش
تنقید	پرکھنا، اچھا بُرا جاننا	سراپا	سر سے پیر تک، مکمل طور پر
تاثیر	اثر	شبستان	رات گزارنے کی جگہ
تفسیر	وضاحت، تشریح	طاقِ نسیاں	مراد ہے بھول جانا
		طوق و سلاسل	قیدیوں کے گلے اور ہاتھ پاؤں میں ڈالی جانے والی زنجیریں
حشر	قیامت		
خطِ تقدیر	قسمت کی لکیر	عالَم	دنیا

مزارِ قطب الدین ایبکؔ

آہنگ	آواز / نغمہ	دھاک	خوف، رعب بٹھانا
افلاک	فلک کی جمع، آسمان	رَجز	جنگی ترانہ جس میں فوج کو جوش دلایا جاتا ہے
انبوہِ انساں	لوگوں کا ہجوم	سرخرو	کامیاب

NOT FOR SALE

awazeinqilab.com

اوج	بلندی
باطل	جھوٹ، ناحق
پُرہَول	خوف ناک
تخیل	خیال، سوچ
تکبیر	اللہ اکبر کی آواز
تیغ	تلوار
جستجو	تلاش
سفاک	ظالم، سخت گیر
صدائیں	آوازیں
علَم	جھنڈا
غلغلہ	شور
گھٹا	بادل
نور	روشنی، اجالا
ہیبت	خوف

نمودِ صبح

اختران	اختر کی جمع / تارے، ستارے
انجم	ستارا
باروردرخت	پھل دار درخت
پنہاں	چھپا ہوا
خنکی	ٹھنڈک
خورشید	سورج
چرخ	آسمان
چہرۂ مہتاب	چاند کا چہرہ
در	دروازہ
روئے شبِ تار	تاریک رات کا چہرہ
زمزمہ پردازیٔ طیور	پرندوں کا گیت گانا
ہویدا	ظاہر
شمیم	خوشبو، مہک
پنہاں	پوشیدہ
سرور	لطف کی کیفیت
سموم	گرم ہوا، لُو
پژمردہ	مرجھایا ہوا
رنگ فق ہونا	چہرہ زرد پڑ جانا
کوچ کرنا	رخصت ہونا
قلب	دل
گردوں	آسمان
گہرہائے آبدار	چمک دار موتی
منزلِ شب	رات کی محفل
نافے	خوشبو کی تھیلیاں
نخلِ طور	کوہ طور پر وہ درخت جس پر حضرت موسیٰ نے روشنی دیکھی تھی
ہرسُو	ہر طرف

NOT FOR SALE

کسان

آنچ	گرمی، حدّت
آہن	لوہا
اسرار	سر کی جمع، راز
پھبکنا	بڑھنا، نشوونما پانا
تن آسانی	سستی
جلوہ	نظارہ
خاک	مٹی
خُو	عادت
دوش	کاندھا
واقفِ اسرارِ فطرت	فطرت کے راز جاننے والے
اُمید و بیم	اُمید اور خوف
رقیق	نرم
رفیق	دوست
سَیل	طوفان
ظلمت	اندھیرا
عالم تاب	دنیا کو روشن کرنے والا
ماہ	چاند
مہر	سورج
مشقت	محنت مزدوری
محرم	رازدان
ناظر	نظر رکھنے والا
نسیم	صبح کی ہوا
تخریب	خرابی

اے دیس کی ہواؤ!

سخن	بات چیت
سفینہ	کشتی
سہنا	برداشت کرنا
ناخدا	ملاح
ہدیہ	تحفہ، نذرانہ
منتظر	انتظار کرنے والا

NOT FOR SALE

awazeinqilab.com

کراچی کی بس

ٹھان لینا — ارادہ کرنا
جادہ — راستہ
ڈھیل — وقفہ، مہلت، سستی
ڈبل — (کنڈکٹروں کی اصطلاح) تیز چلنا
ریشِ سفید — سفید داڑھی
زلفِ سیہ — کالی زلفیں، کالے بادل
زنانے — بس کا وہ حصہ جہاں زنانہ سواریاں بیٹھتی ہیں۔
صلہ — معاوضہ
علیل — بیمار
کھڑاؤں — ایسا جوتا جس کا تلہ لکڑی اور اوپر کا حصہ رسی کا بنا ہو۔
قلیل — بہت کم
گل بدن — پھول جیسا نازک بدن

مسلمانانِ الجزائر

چین — آرام، سکھ
طور — طرز، طریقہ
آسرا — سہارا، بھروسا

حصہ غزل

حسرت موہانی

آشنا — واقف
جفا — وفا کا متضاد۔ بے وفائی
جنوں — دیوانگی
خرد — عقل
مُدعا — دل کی بات
جفا کار — ظلم کرنے والے
حیف — افسوس
بگڑے — ناراض ہونا

NOT FOR SALE

دوعالم — دونوں جہاں، دنیا اور آخرت
سرفراز کرنا — رتبہ عطا کرنا
سزاوار — مستحق، حق دار
مسرت — خوشی
دلگیر — اداس
مقدور — حوصلہ، ہمت
دھندلکا — طلوع آفتاب یا غروب آفتاب کا وقت، جب نہ روشنی ہو اور نہ اندھیرا ہو۔
ساکھ — اعتبار، اچھا نام
ساغر — پیالہ

جگر مرادآبادی

پیکار — جنگ، لڑائی
تابانی — چمک، روشنی
سبک ساران — بے وقعت، لاتعلق
سوز — جلن، گرمی
صداقت — سچائی
طغیانی — سیلاب
عالَم — حالت
گرمیٔ بازار — رونق، گہما گہمی
معرفت — پہچان
نمود — نمائش، دکھاوا

ot For Sale

awazeinqilab.com

فراقؔ گورکھپوری

حیاتِ جاوداں	ہمیشہ کی زندگی	ناشکیبا	بے قرار، بے چین
فرقت	جدائی	جولاں گہہ محبت	محبت کی زنجیر
رفتگان	(رفتہ کی جمع) گیاہوا	لامکان	لامحدود۔ جس کی حدنہ ہو
سکوتِ	پُراسرار خاموشی	زخمِ نہاں	پوشیدہ زخم
حُسنِ کرشمہ ساز	جادوئی حُسن	ناشکیبا	بے قرار
		عدم	ناپیدی۔ وجود نہ ہونا

اداؔ جعفری

آلام	الم کی جمع، دکھ، مصیبتیں	سنگِ سرراہ	راستے میں پڑا ہوا پتھر
افسردہ	خفا، اداس	کُو	کوچہ، گلی
ایمائے نظر	چھپا ہوا اشارہ	گریزاں	دور ہٹنا
اندیشہ	فکر	گزرگاہ	راستہ
جنبشِ ابرو	آنکھ کا اشارہ	لب بستہ	خاموش
دشت	صحرا، بہت بڑا میدان	لبریز	بھراہوا

مؤلفین کا تعارف

پروفیسر محمد جمال (ایم اے اُردو)

۱۹۸۹ء میں پشاور یونیورسٹی سے ایم اے اُردو میں نمایاں پوزیشن حاصل کی۔ ۱۹۹۰ء سے ایڈورڈز کالج پشاور میں درس وتدریس سے منسلک ہیں۔ متعدد سیمیناروں اور ورکشاپوں میں شرکت کر چکے ہیں۔ ۲۰۰۰ء سے صدر اُردو (ایڈورڈز کالج پشاور) کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔ درسی کتب کی تصنیف وتالیف کے سلسلے میں ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور سے وابستہ ہیں۔

عنایت الحق خٹک (ایم اے اُردو، ایم ایڈ)

۱۹۷۷ء سے یونیورسٹی پبلک سکول پشاور یونیورسٹی میں اُردو پڑھا رہے ہیں۔ پشاور میں تدریس اُردو کے حوالے سے منعقد ہونے والی ورکشاپ میں بطور ریسورس پرسن شرکت کرتے رہے ہیں۔

اُردو لازمی کی نصابی کتاب ''بہارِ اُردو'' برائے جماعت نہم اور ''بہارِ اُردو برائے جماعت دہم'' ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور کے مؤلف بھی ہیں۔ ''خزینۂ گوہر، گوہرِ بیان'' اور ''مؤثر تدریس'' اُن کی تصانیف ہیں۔

ناہید عثمان (ایم اے اُردو، بی ایڈ)

۱۹۹۷ء میں شعبہ اُردو، جامعہ پشاور سے اعزازی نمبروں کے ساتھ ایم اے اُردو کا امتحان پاس کیا اور صوبہ بھر میں تیسری پوزیشن حاصل کی۔ سرحد یونی ورسٹی سے بی ایڈ فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ اُن کا تعلق کاٹلنگ کے ایک چھوٹے سے گاؤں کونگی سے ہے۔ درس وتدریس اور تصنیف وتالیف سے منسلک ہیں۔ خیبر پختونخوا ٹیکسٹ بک بورڈ، پشاور سے بطور لکھاری وابستہ ہیں جب کہ آزاد جموّں وکشمیر ٹیکسٹ بک بورڈ مظفر آباد کی اُردو (لازمی) جماعت نہم اور دہم بھی تالیف کر چکی ہیں۔ تعلیم وتعلّم سے متعلق کئی ورکشاپ اور کانفرنسوں میں شریک رہی ہیں۔ اپنے شریکِ فن شوہر کے ساتھ مِل کر نو (۹) کتابوں کی مؤلف ہیں۔

ڈاکٹر عثمان شاہ کاٹلنگ (ایم اے اُردو، ایم اے پولیٹیکل سائنس، ایم ایڈ، ایم فِل پی ایچ ڈی اُردو)

۱۹۹۶ء میں شعبۂ اُردو، جامعہ پشاور سے امتیازی نمبروں میں ایم اے اُردو کرنے کے بعد اسی شعبہ سے ایم فِل کیا۔ سرحد یونی ورسٹی پشاور سے ایم ایڈ اور پنجاب یونی ورسٹی لاہور سے سیاسیات (پولیٹیکل سائنس) میں ایم اے کرنے کے بعد قرطبہ یونی ورسٹی پشاور سے پی ایچ ڈی اُردو کی ڈگری حاصل کی۔

درس وتدریس سے منسلک ہیں۔ اپنی شریکِ حیات کے ساتھ مِل کر تصنیف وتالیف میں مشغول ہیں۔ خیبر پختونخوا میں ''اُردو صحافت'' کے حوالے سے ان کی تحقیق کو خیبر پختونخوا حکومت نے اپنے خصوصی خرچ پر شائع کیا۔ تعلیم کے حوالے سے منعقد ہونے والی کئی ملکی اور غیر ملکی کانفرنسوں اور ورکشاپ میں شرکت کی ہے۔ تین سال ٹیکسٹ بک بورڈ پشاور میں بحیثیتِ ماہرِ مضمون خدمات سرانجام دے چکے ہیں۔ بارہ (۱۲) کتابوں کے مصنف اور مؤلف ہیں۔

awazeinqilab.com

اَنَا خَاتَمُ النَّبِیّٖنَ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ۔

ترجمہ: میں (محمد ﷺ) آخری نبی ہوں میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

(صحیح بخاری شریف، مسلم شریف، سنن ترمذی)

حلال کمائی کی لذت اس شخص کو محسوس ہوتی ہے

جو حرام کمائی چھوڑنے کی مکمل کوشش کرتا ہے۔

(حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

Not For Sale

مومن تو آپس میں بھائی ہیں۔

پس اپنے دو بھائیوں میں صلح کرادیا کرو

اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم

کیا جائے۔

(سورۃ الحجرات: ۱۰)

رشوت لینے والا اور رشوت دینے والا

دونوں دوزخی ہیں۔

(حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم)

awazeinqilab.com